عبد الحي السندهي

میراث و وصیت

کے شرعی ضوابط

میراث و وصیت

کے شرعی ضوابط

ڈاکٹر عبدالحی ابڑو

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

عنوان کتاب: میراث ووصیت کے شرعی ضوابط

مؤلف: ڈاکٹر عبد الحی ابڑو

نظر ثانی: حافظ احمد وقاص

ناشر: شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

اشاعت: جنوری ۲۰۱۵ء

SHARI'AH ACADEMY
International Islamic University, Faisal Masjid Campus
Islamabad Tel: +92 051 9261761 ext 289
Email: sapublication@gmail.com

کمپوزنگ: محمد آصف قریشی　　مطبع: یونیک ویژن۔ اسلام آباد

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

اسلامی فقہ میں فن میراث کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں احکام بیان کرنے کے اپنے عمومی اسلوب سے ہٹ کر میراث کے مسائل کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی میراث کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر متعدد مواقع پر اس کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی؛ بلکہ جہاں قرآن سیکھنے کا حکم دیا، اسی جملے میں میراث کے احکام سیکھنے پر زور دیا ہے۔ سلف صالحین کے ہاں یہ معمول رہا کہ کسی طالب علم کو اس وقت تک حدیث کے درس میں نہیں بیٹھنے دیا جاتا تھا جب تک وہ قرآن کریم حفظ اور میراث کے مسائل کو ازبر نہ کرلیتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم میراث اور ترکہ ایسی چیز ہے جس سے ہر مسلمان کو واسطہ پڑتا ہے؛ پھر اس کا تعلق لوگوں کے مالی حقوق کے ساتھ ہے؛ اور اس بات کا قوی امکان ہو سکتا ہے کہ بندہ ناواقفیت کی وجہ سے مرنے سے پہلے کوئی ایسی وصیت کر جائے جس میں ورثا کی حق تلفی یا ان کے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہو؛ یا کسی وارث کو ترکے سے سرے سے محروم ہی کر دے۔

میراث کے احکام چونکہ ایک گونہ پیچیدہ اور قدرے دقیق ہوتے ہیں، اس لیے ان کے پیش کرنے کا اسلوب جس قدر آسان، سادہ اور سلیس ہو، اسی قدر زیادہ استفادے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ حالیہ عرصے میں ہمارے ہاں مواریث پر اردو زبان میں جو لٹریچر سامنے آیا ہے اس کے اسلوب بیان میں پیچیدگی اور قدیم طرزِ تفہیم کی وجہ سے طلبہ اور عام افراد کے لیے احکام کو ذہن نشین کرنا کافی مشکل ہے جو غیر معمولی دلچسپی اور محنت کے بغیر ممکن نہیں۔ دوسرے یہ کہ عام طور پر میراث کے تمام مباحث بیان نہیں کیے جاتے۔ بازار میں میراث کی مشہور درسی کتاب سراجیہ کی متعدد اردو شروح تو دستیاب ہیں؛ لیکن لوگوں کی

ضرورت اس سے مختلف ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ میراث کے احکام پر مشتمل ایک ایسی جامع اور عام فہم کتاب ہو جس میں میراث کے تمام مشکل اور دقیق مباحث کو مروجہ اسلوب کے مطابق خوبی سے آسان زبان میں بیان کیا گیا ہو۔

زیر نظر کتاب اسی ضرورت کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کے مؤلف گزشتہ تیس سال سے اسلامی فقہ کے استاد اور محقق کے طور پر یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ فقہ الأسرہ کا ایک حصہ ہونے کے ناطے علم میراث مؤلف کی خصوصی دلچسپی کا موضوع ہے۔ یہ کتاب مؤلف کے برسوں کے تدریسی تجربے کا نچوڑ قرار دی جاسکتی ہے، جس میں طلبہ کی نفسیات اور رائج محاورے کو سامنے رکھتے ہوئے نقشوں اور جداول کی مدد سے میراث کے جملہ مباحث کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں میراث کے مباحث جس میں اسلام کے تصور میراث کا دیگر ادیان و مذاہب کے تصور میراث کے ساتھ تقابلی جائزے، وراثت کے اسباب و موانع، ذوی الفروض، عصبات، دادا کا حصہ، حجب، ورثا کے عددی اصول، عول، رد اور ذوی الارحام وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حصہ دوئم وصیت کے احکام پر مشتمل ہے جس میں وصیت کے تمام پہلوؤں کا اختصار اور مناسب تفصیل کے ساتھ احاطہ کیا گیا ہے۔

ماضیِ قریب میں وصیت اور میراث کے بعض معرکہ آرا سمجھے جانے والے مسائل: مثلاً مرد کا دو گنا حصہ، یتیم پوتے کی وراثت وغیرہ کو شافی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز وراثت سے متعلق ملک میں مروجہ قوانین اور اہل تشیع کا نقطۂ نظر بھی سامنے لایا گیا ہے۔

امید ہے یہ کاوش مدارس و جامعات کے طلبہ، علمائے کرام، ارکانِ عدلیہ و قانون اور میراث سے دل چسپی رکھنے والے قارئین کے لیے مفید، اور تعلیمی اداروں کے نصابِ میراث کے لیے ایک موزوں انتخاب ثابت ہوگی۔ واللہ وليّ التوفیق والقبول.

شعبۂ تحقیق و مطبوعات

حصہ اول

میراث

تعارف

زندگی کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ مرنے والے کے مال و جائداد کی تقسیم یعنی وراثت کا ہے۔ اس مسئلے میں انسانیت ہمیشہ افراط و تفریط میں مبتلا رہی ہے۔ اسلام نے اس مسئلے میں بھی ایک جچا تلا اور عدل و انصاف پر مبنی قانون اور لائحہ عمل پیش کیا ہے۔ آج دنیا کے اکثر ممالک، سرمایہ داری کے تباہ کن اثرات کا رونا رو رہے ہیں، اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ دولت کو چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹنے سے کس طرح روکا جائے۔ اشتراکی نظام نے اس کا ایک علاج تجویز کیا، لیکن وہ دوسری انتہا کو پہنچ گئے اور فرد کی ذاتی ملکیت ہی کو ختم کرکے اسٹیٹ کو "سرمایہ دار اعظم" بناکر بدنام زمانہ سرمایہ داری کے سارے نقائص اس میں سمو دیے۔ دراصل اس افراط و تفریط کے بین بین ہی کوئی راستہ ان الجھنوں سے نجات دلا سکتا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ۔ اسلام کا معاشی نظام نہ تو فرد کی ملکیت کو ختم کرتا ہے اور نہ ہی اس کا موقع دیتا ہے کہ دولت کا ایک جگہ ارتکاز ہو سکے۔ جائز اور حلال طریقے سے دولت کمانے کی پابندی، دولت خرچ کرنے کی حدود کا تعین، حقوق العباد کی ادائگی، زکاۃ و صدقات کا التزام اور تقسیم میراث وہ توازن قائم کرتے ہیں جو دولت کی صحیح تقسیم کے لیے ضروری ہے۔ صرف تقسیم میراث ہی کے اصولوں کو لیجیے؛ ان کی پابندی کرنے سے ہر فرد کی وفات پر اس کا ترکہ متعدد افراد میں تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طرح دولت گردش میں رہتی ہے۔ یہ اصول اسلام میں ایک مستقل فن اور علم کی حیثیت رکھتے ہیں جسے "علم الفرائض" یا "علم میراث" کہا جاتا ہے۔

باب ۱

مختلف مذاہب اور اقوام کے ہاں احکام وراثت

وراثت کے سلسلے میں اسلامی نقطۂ نظر بیان کرنے سے پہلے دیگر مذاہب اور قوموں کے نظریے کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ تقابل میں آسانی ہو۔ ان شاء اللہ اس سے اسلامی شریعت کا اعتدال اور توازن نمایاں ہوگا۔

یہودیت میں قوانین وراثت

یہودیوں کے ہاں وراثت کا حق دار صرف لڑکا ہوتا ہے، اس کی موجودگی میں نہ تو میت کے والدین کا کوئی حصہ ہے اور نہ بیٹی کا؛ بیوی اور شوہر کا اور دیگر رشتے داروں کا بھی کوئی حصہ نہیں۔ بیوہ اور بیٹیاں اولادِ نرینہ کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں، البتہ لڑکی اگر نابالغ ہو تو بارہ سال کی عمر تک وہ باپ کے ترکے میں سے اپنا خرچہ لے سکتی ہے، اس کے بعد اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔ بیوہ بہر صورت میراث سے محروم ہوتی ہے اور ایک بوجھ سمجھی جاتی ہے۔

لڑکا ہر حالت میں میراث کا حق دار ہوتا ہے، چاہے وہ نکاح کے ذریعے وجود میں آیا ہو یا بدکاری کا نتیجہ ہو؛ نیز سب سے بڑا لڑکا دوگنا حصہ پاتا ہے خواہ وہ ناجائز نطفہ ہو۔ بیٹے، پوتے وغیرہ کی موجودگی میں لڑکیاں میراث پاتی ہیں اور وہ نہ ہوں تو ان کی اولاد۔ لڑکے، لڑکیاں، پوتے، نواسے وغیرہ میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ترکے کا مستحق باپ ہوتا ہے، اور اس کی غیر موجودگی میں دادا اور اس کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ۔

کسی یہودی عورت کا انتقال ہو اور اس کی کوئی اولاد نہ ہو تو شوہر اس کا وارث ہوتا ہے۔ اولاد نرینہ کے ہوتے ہوئے اسے کسی بھی طرح کی وصیت کا حق نہیں ہوتا، لیکن اگر وارث لڑکیاں ہوں تو جسے چاہے اور جتنا چاہے وصیت کر سکتی ہے۔

کوئی بت پرست یہودی مذہب اختیار کرلے تو اس کی وفات کے بعد غیر یہودی رشتہ دار اس کے وارث نہ ہوں گے، البتہ کوئی بت پرست وفات پا جائے تو یہودی اس کا وارث ہوگا اور اگر کوئی یہودی بت پرست وغیرہ ہو جائے تو یہ اپنے یہودی رشتہ داروں کے ترکہ سے محروم ہوگا، اور یہودی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے۔

وراثت نصرانیت میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی پر عامل تھے، وہ خود کہا کرتے تھے کہ میں شریعت موسوی کو ختم کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی تکمیل کے لیے آیا ہوں، اس لیے ظاہر ہے کہ وراثت کے سلسلے میں مسیحیت کا بھی وہی نقطۂ نظر ہے جو اوپر تورات کے حوالے سے مذکور ہوا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھا لیے جانے کے بائیس سال بعد مسیحیت نے تورات کے تمام احکامات پر خطِ نسخ پھیر دیا۔ اس لیے اب ان کے یہاں اس پر عمل نہیں ہے، بلکہ مختلف فرقوں کے یہاں وراثت کے سلسلے میں الگ الگ احکام ملتے ہیں، جن میں سے بیشتر احکام رومی یا یونانی قانون سے ماخوذ ہیں۔

رومی قانونِ وراثت

رومی قانونِ وراثت میں مختلف اوقات میں متعدد تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ ابتدا میں وراثت کو وصیت سے متعلق کیا گیا کہ مورّث جس شخص کے لیے وصیت کر جائے وہی اس کے تمام مال کا وارث ہوگا۔ بعد ازاں بادشاہ گستنیانوس (م ۵۴۳ء) نے قانونِ وراثت میں کچھ بنیادی تبدیلیاں کیں اور وراثت کی بنیاد قرابت پر رکھی، نیز قریب ترین وارث کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا، استحقاق وراثت میں مرد و عورت کے درمیان تفریق کو ختم کیا اور وارثوں کے مختلف طبقے قرار دیے۔ اس کی رو سے پہلا طبقہ، فروع یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ان کی نسل سے اگر کوئی

موجود ہے تو دوسرا اوراثت کا حق دار نہ ہوگا اور ان کی غیر موجودگی میں دوسرے طبقے یعنی اصول کے درمیان ترکہ تقسیم ہوگا، جن میں باپ، دادا، بھائی وغیرہ شامل ہیں۔

قابل ذکر یہ ہے کہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی بھائی موجود ہے تو وہ محروم نہ ہوگا، بلکہ برابر کا حق دار ہوگا، ایسے ہی پوتا بھی محروم نہیں ہوتا بلکہ دادا کے مرنے کے بعد وہ اپنے چچا کے ساتھ برابر کا حصے دار ہوتا ہے۔

اصول و فروع اور حقیقی بھائی موجود نہ ہوں تو یہ حق ماں شریک یا باپ شریک بھائی کو ملتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں دیگر رشتہ داروں میں برابر تقسیم کیا جائے گا، اس طور پر کہ قریب ترین رشتہ دار کی موجودگی میں دور کا رشتہ دار محروم ہوگا۔

میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے ترکے سے مکمل طور پر محروم ہوگا کیونکہ ان کے یہاں وراثت کی بنیاد قرابت پر ہے۔

یونانی قانونِ وراثت

اہل یونان کے یہاں بھی ابتداءً وراثت کو وصیت سے متعلق رکھا گیا تھا کہ انسان اپنی زندگی ہی میں کسی کے حق میں وصیت کر جائے اور موت کے بعد تمام ترکہ وصیت کردہ شخص کی طرف منتقل ہو جاتا تھا، بعد میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں اور قرابت کو بنیاد قرار دیا گیا، تاہم اولادِ نرینہ کی موجودگی میں کسی عورت کا کوئی حصہ نہ تھا، بیٹی وغیرہ وراثت کی حق دار اس وقت ہوتی جبکہ کوئی مرد وارث موجود نہ ہوتا۔ ان میں یہ بھی رواج تھا کہ نکاح کے وقت بیٹی کو "دوملہ" (جہیز) کے نام سے گھریلو استعمال کی چیزیں دے دیا کرتے تھے اور یہی ان کی محرومی کا عوض ہوتا تھا۔

اولادِ نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی اپنے باپ کے مال کی نگراں ہوتی تھی اور شادی کے بعد اس کے ہاں کوئی لڑکا پیدا ہو جائے تو قانونی طور سے وہ مجبور تھی کہ اس لڑکے کو اپنے باپ

کی طرف منسوب کرے اور ترکہ اس کے نام کر دے، گویا کہ عورت میراث کو صرف منتقل کرنے والی ہوتی، وہ کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی تھی۔

ہندو مت میں قانونِ وراثت

ہندو قانونِ وراثت میں عورتوں کے لیے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں ہے، نیز تمام چیزوں کا مالک صرف بڑا لڑکا ہوتا ہے اور دوسرے سب محروم۔

قوانین وراثت مغربی ممالک میں

بعض ملکوں میں وراثت سے متعلق جو قوانین نافذ ہیں وہ یونانی اور رومی قانون کا چربہ ہیں۔ یہ سب انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، جن میں اکثر و بیشتر تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں، چنانچہ فرانسیسی قانون میں میت کی اولاد، ان کی غیر موجودگی میں اس کے باپ، دادا، پھر بھائی اور چچا کو وراثت کا حق دار قرار دیا گیا ہے اور ان سب کی غیر موجودگی میں غیر قانونی لڑکا حصہ دار ہوتا ہے۔ بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں باپ اور دادا محروم ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی بیٹا وفات پا جائے تو دوسرے موجود بیٹوں کے ساتھ پوتا بھی دادا کی میراث کا حق دار ہوتا ہے۔

جرمن قانون کے لحاظ سے وراثت کی بنیاد قرابت اور زوجیت پر ہے، فرع کی موجودگی میں زن و شو میں سے ہر ایک کا حصہ چوتھائی ہے اور فرع کے نہ ہونے کی صورت میں آدھا، اور اصول و فروع میں سے کوئی موجود نہ ہو تو شوہر پورے ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔

انگریزی قانون میں بیٹے کے ہوتے ہوئے بیٹی محروم ہوتی ہے، نیز پہلوٹا سب پر مقدم ہوتا ہے اور اولادِ نرینہ کی غیر موجودگی میں بیٹی وارث ہوتی ہے۔

روس میں جب کمیونزم بر سر اقتدار ہوا تو شروع میں وراثت کا کوئی تصور ہی نہ تھا کہ فرد کسی چیز کا مالک نہ تھا، ہر چیز پر حکومت کی ملکیت ہوتی تھی، بعد میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ ۱۹۴۵ء میں تین طرح کے لوگوں کو وارث قرار دیا گیا:

۱۔ اولاد، میاں بیوی

۲۔ والدین اور منہ بولا بیٹا

۳۔ بھائی بہن

ان میں سے قریب ترین کی موجودگی میں دور کے رشتہ دار کو محروم قرار دیا گیا۔

امریکہ اور یورپ کے دیگر ملکوں میں اس وقت جو قانونِ وراثت رائج ہے اس کا ذکر تفصیل طلب ہے۔ صرف اتنا اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ان میں رومی اور یونانی روح کار فرما ہے، گو بعض جزئیات اور تفصیلات میں اختلاف ہے۔ *

دور جاہلیت میں عربوں کا نظام وراثت

اسلام سے قبل اہل عرب مختلف قبیلوں اور طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، جن میں باہم آویزش اور کشمکش رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے سے ہمیشہ برسرپیکار رہتے تھے، اس لیے وہ تمام معاملات کو اسی کے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ وراثت میں ان کے ہاں چھوٹے بچوں اور عورتوں کا کوئی حصہ نہ تھا کہ یہ لوگ جنگی صلاحیتوں سے محروم تھے اور اپنے قبیلے کی طرف سے دفاع نہیں کر سکتے تھے، اور دشمنوں سے مال غنیمت حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

ان کے ہاں میراث پانے کے درج ذیل چار اسباب تھے:

۱۔ **قرابت اور نسبی تعلق:** اس کے تحت ترکہ کا سب سے پہلا حق دار بڑا بیٹا تھا، اس کے ہوتے ہوئے کوئی اور وارث نہیں ہو سکتا تھا، لیکن اس کے لیے شرط یہ تھی کہ وارث بالغ اور جنگی صلاحیت کا حامل ہو۔ اس کے بعد پوتا، پھر باپ، دادا اور ان کے بعد بھائی اور چچا وغیرہ کا حق تھا۔

* سباعی، ڈاکٹر مصطفی، هذا هو الاسلام ۱: ۳۳؛ ابو الیقظان عطیہ، حکم المیراث في الشريعة الإسلاميه، ص ۱۱،

۲۲۔ دیکھیے: مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کا مضمون "اسلام کا نظام وراثت" مشمولہ سہ ماہی "تحقیقات اسلامی" علی گڑھ، جلد ۲۱، شمارہ ۳، جولائی ستمبر ۲۰۰۲ء، ص ۷۵-۷۹

۲۔ وَلاء: اسی جنگ و جدال کی وجہ سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے سے اور ایک شخص دوسرے شخص سے باہم مدد اور نصرت کا معاہدہ کرتا تھا جسے "وَلاء" کہا جاتا ہے اور قریبی وارث کی موجودگی میں بھی یہ شخص وارث ہوتا تھا۔

۳۔ تبنّی: سابقہ اقوام اور مذاہب میں لے پالک بیٹے کا رواج تھا اور اب بھی بہت سے معاشروں میں باقی ہے، کہ لوگ دوسروں کے بچے کو گود لیتے ہیں جسے حقیقی بیٹے کی طرح سمجھا جاتا ہے اور جائداد کا وارث بھی ہوتا ہے۔ عربوں میں بھی یہ طریقہ رائج تھا یہاں تک کہ اسلام نے آکر اس غیر فطری طریقے کو ختم کیا۔ اسلام میں لے پالک کے لیے وراثت میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا، البتہ اگر مرنے والا چاہے تو اس کے لیے ایک تہائی وصیت کر سکتا ہے۔

۴۔ عہد و پیمان: بعض اوقات دو افراد، جن کی آپس میں کوئی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی، وہ باہم معاہدہ (حِلف) کر لیتے تھے کہ ہمارے درمیان بھائی چارہ ہے۔ اگر دونوں میں سے کسی پر کوئی مشکل پڑ جائے، یا مالی ذمہ داری (دیت، تاوان وغیرہ) یا کوئی اور اُفتاد آپڑے، تو دوسرا بوجھ اٹھانے میں اس کا شریک و سہیم ہوا کرتا تھا۔ ایسے دونوں افراد ایک دوسرے کی وراثت میں بھی حصہ پاتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ [النساء۴: ۳۳] (اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو، ان کو بھی ان کا حصہ دو)، مگر بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا، اور ارشاد ہوا: ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللهِ﴾ [الانفال۸: ۷۵؛ الاحزاب۳۳: ۶] (رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں)۔

باب ۲

ترکہ اور علمِ میراث۔ چند بنیادی مباحث

وراثت۔ تعریف اور ارکان

وراثت کا لغوی معنیٰ کسی چیز کا ایک شخص سے دوسرے شخص یا ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل ہونا ہے۔ عام طور پر یہ منتقلی مال، علم یا شرف و فضیلت کے لیے استعمال ہوتی ہے، جبکہ قانونی اصطلاح کے طور پر وراثت ایک غیر اختیاری انتقالِ ملکیت ہے جس کے ذریعے متوفیٰ کا ترکہ اس کے زندہ وارثوں کی طرف بطریقِ خلافت (جانشینی) منتقل ہوتا ہے۔

وراثت کے درج ذیل تین ارکان ہیں:

۱۔ مُورِث ۲۔ وارث ۳۔ ترکہ (محلِ وراثت)

۱۔ مُورِث

وراثت کا استحقاق اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ حقیقتاً، تقدیراً یا حکماً مورث کی موت واقع ہو چکی ہو۔ حقیقتاً موت یہ ہے کہ مورث کی روح یقینی طور پر اس کے جسم سے نکل چکی ہو۔ تقدیراً موت یہ ہے کہ میت کو زندہ تصور کرتے ہوئے اس کے بعد حقیقی موت واقع قرار دی جائے، مثلاً جنین (رحم مادر میں بچہ) کسی جنایت (دست اندازی) کے نتیجے میں ماں کے پیٹ سے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ حکماً موت یہ ہے کہ حقیقی زندگی کو حکم شرعی کے تحت منقطع قرار دیا جائے، مثلاً حاکم نے مفقود الخبر (لاپتا ہو جانے والے) شخص کے بارے میں اس کی موت کا فیصلہ دے دیا ہو، یا مرتد کو ارتداد کے وقت سے مردہ قرار دے دیا جائے۔

۲۔ وارث

وراثت کا دوسرا رکن "وارث" ہے۔ مورّث کی موت کے ساتھ ہی وارث کی حیات کا تعین ضروری ہے۔ خواہ وہ حقیقتاً زندہ ہو یا تقدیراً زندہ تصور کر لیا گیا ہو، جیسے وہ بچہ جو رحمِ مادر میں ہو۔ چنانچہ حمل کی میراث اس کو زندہ تصور کر کے علیحدہ رکھ دی جائے گی اور اس کے زندہ پیدا ہونے کے بعد اس کی ملکیت قرار پائے گی۔ ایسی صورتوں میں جہاں مورّث کے مرنے کے ساتھ وارث کے زندہ ہونے کا پتا نہ چل سکے ان کا باہم توارث نہ ہو گا، جیسا کہ ایک ساتھ ڈوب کر مر جانے والے، جل کر مر جانے والے، عمارت میں دب کر مر جانے والے۔

۳۔ ترکہ

وراثت کا تیسرا رکن "ترکہ" (محلِ وراثت) ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

تعریفِ ترکہ

ترکہ کا لفظ ترك سے مشتق ہے اور یہ متروك (چھوڑی ہوئی چیز) کے معنیٰ میں ہے۔

علم میراث کی اصطلاح میں "ترکہ" وہ مال ہے جو میت (مورّث) اپنے بعد اپنے شرعی مملوکات کی شکل میں چھوڑ جائے۔ کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی تمام جائداد، منقولہ (جیسے گاڑیاں، مال مویشی، گھریلو سامان اور نقد رقوم وغیرہ) اور غیر منقولہ (زرعی، رہائشی مکانات، فیکٹری وغیرہ) جو شرعاً اس کی ملکیت میں ہو، خواہ اس کے قبضے میں ہو یا دوسروں کے ذمے واجب الادا ہو، میت کا ترکہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ ہر قسم کا مال وملکیت، رہن رکھی گئی کوئی چیز، معاہدۂ بیع کے خیارات (جیسے خیارِ عیب، خیارِ تعیین)، حق شفعہ، متوفیٰ کا کسی کے ذمہ واجب الادا قرضہ وغیرہ

سب ترکے میں شامل ہوں گے۔ اسی طرح ترکے میں علمی وِرثہ یعنی کتابوں، فارمولوں اور ایجادات وغیرہ کی رائلٹی بھی شامل ہے اور تمام شرعی وُرثا کا اس میں حق ہو گا۔*

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اسلام میں ترکہ کے لحاظ سے خاندانی یا ذاتی مال میں کوئی تقسیم روا نہیں رکھی گئی۔ انسان کے مرنے کے وقت وہ سارا مال جو اس کی ملکیت میں ہو ترکہ شمار ہو گا چاہے وہ اسے خاندان کی طرف سے وراثت کے ذریعے منتقل ہوا ہو یا اس نے خود حاصل کیا ہو۔

ترکے میں وہ مال شامل ہوتا ہے جو میت اپنے بعد چھوڑ جائے اور کسی دوسرے متعین شخص کا اصل متروکہ شے کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس مال سے متعین طور پر کسی غیر کا حق متعلق ہو (جیسے رہن رکھی گئی کوئی چیز)، وہ مال اس وقت تک ترکے میں داخل نہ ہو گا جب تک کہ اس دوسرے شخص کا حق ادا نہ کر دیا جائے۔

ترکہ کے سلسلے میں چند مزید صورتیں

۱۔ ایسا مال جو میت کو حاصل ہوا ہو مگر شریعت نے اس پر مال ہونے کا حکم نہ لگایا ہو، وہ شرعاً ترکہ شمار نہ ہو گا، جیسے ذخیرۂ شراب۔

۲۔ جو مال میت نے کسی دوسرے کا غصب کیا ہو، یا چوری یا خیانت کے ذریعے حاصل کیا ہو، وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہو گا، کیونکہ شریعت نے اس پر میت کی جائز ملک ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اگر وُرثا نے ایسے مال کو آپس میں تقسیم کر لیا تو وہ اس کے خود ذمہ دار ہوں گے اور اللہ کے نزدیک گناہ گار ہوں گے۔ جس طرح میت سے ایسے مال کو اس حالت پر چھوڑ جانے پر مواخذہ ہو گا، اسی طرح وُرثا سے ایسے مال کو مالکوں کو نہ پہنچانے اور میت کا مال سمجھ کر تقسیم کر لینے میں مواخذہ ہو گا۔

* ملاحظہ ہو: شہرانی، حسین بن معلوی، حقوق الاختراع والتألیف في الفقه الإسلامي، دار طیبہ، الریاض ۲۰۰۴ء، ص ۳۶۸؛ ویمن ایڈ ٹرسٹ، پاکستان: وراثت کی تقسیم۔ کیا، کیوں اور کیسے؟ ۲۰۱۱ء، ص ۲

۳۔ جو چیز میت نے خریدی تھی لیکن قیمت ادا کرکے اس کو اپنی تحویل (قبضہ) میں نہ لیا تھا، وہ چیز ترکہ میں داخل نہ ہوگی۔ البتہ اگر میت نے اس چیز کو اپنے قبضے میں لے لیا تھا مگر قیمت ہنوز ادا نہ کی تھی تو وہ چیز میت کے ترکے میں داخل ہوگی اور اس چیز کی قیمت میت کے مجموعی ترکے پر قرض (دَین) ہوگی جو بقاعدہ قرض (دَین) ادا کی جائے گی۔

۴۔ اگر میت کی کوئی چیز یا جائداد کسی کے پاس رہن ہو اور میت نے اس قدر مال نہ چھوڑا ہو کہ زرِ رہن ادا کرکے اس چیز یا جائداد مرہونہ کا انفکاکِ رہن کرایا (رہن چھڑایا) جاسکے تو وہ چیز یا جائداد میت کے ترکہ میں داخل نہ ہوگی، البتہ مرتہن (mortgagee) کے پاس اس چیز یا جائداد کو فروخت کردینے کے بعد اگر کوئی رقم باقی بچے تو وہ ترکہ شمار ہوگی۔

۵۔ **بینوویلنٹ فنڈ اور گروپ انشورنس کی رقوم:** حکومت نے سرکاری ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے، بینوویلنٹ فنڈ کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کیا ہے اور ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ سے کچھ رقم کاٹ کر اس فنڈ میں جمع کرائی جاتی ہے۔ مرکزی حکومت، سرکاری و نجی ادارے اور عام افراد بھی اس میں عطیات جمع کرا سکتے ہیں۔ اس فنڈ کو عام طور پر منافع بخش اسکیموں میں بھی لگایا جاتا ہے۔ اس فنڈ کا بنیادی مقصد دوران ملازمت جسمانی یا ذہنی معذوری کے سبب ملازمت سے فارغ کیے جانے والے یا وفات پاجانے والے سرکاری ملازمین اور ان کے اہل خانہ کی فلاح و بہبود ہے اور انہیں ایک خاص مدت تک اس فنڈ میں سے کچھ رقم ماہانہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ فنڈ ملازمین کی شخصی اور اجتماعی ملکیت نہیں ہے اور نہ ہی کسی ملازم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہر صورت میں اس فنڈ سے کوئی حصہ وصول کرے۔ اگر کوئی ملازم ریٹائرڈ ہونے کے بعد ذہنی یا جسمانی طور پر معذور ہوتا ہے یا وفات پاجاتا ہے تو وہ یا اس کے اہل خانہ کسی صورت بھی اس فنڈ میں سے کوئی پیسہ وصول کرنے کے حق دار نہیں ہوتے۔

اس بحث کی روشنی میں اس فنڈ کو کسی ملازم کا ترکہ کہنا درست نہیں ہے؛ اسی لیے یہ فنڈ متوفیٰ کے قانونی وُرثا کو نہیں بلکہ اس کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے۔ اہل خانہ کی تعریف میں

متوفیٰ کی بیوی، اگر ملازم خاتون ہوں تو اس کا شوہر، اور متوفیٰ کی اولاد شامل ہے۔ اس کے علاوہ متوفیٰ کے زیرِ کفالت والدین، بھائی، بہنیں (غیر شادی شدہ، مطلقہ، بیوہ) بھی اہل خانہ میں شمار ہوتے ہیں۔

اسی طرح حکومت ہر سرکاری ملازم کی انشورنس کسی انشورنس کمپنی کے ساتھ مل کر کراتی ہے، اور اس ملازم کی تنخواہ میں سے بطور عطیہ ماہانہ قسط کاٹ کر اس انشورنس کمپنی کو جمع کرائی جاتی ہے؛ اسے گروپ انشورنس کہتے ہیں۔ اس کا مصرف بھی وہی ہے جو بینوویلنٹ فنڈ کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرکاری ملازم کا انتقال چاہے دوران ملازمت ہوا ہو یا ریٹائرمنٹ کے بعد، اس کے اہل خانہ ہر حال میں گروپ انشورنس کی رقم کے حق دار ہوتے ہیں۔ نیز یہ رقم انہیں ماہانہ کے بجائے یک مشت ادا کردی جاتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ یہ کوئی ایسی رقم نہیں جس کا سرکاری ملازم اپنی زندگی میں حق دار ہوگیا ہو اور اسے اپنی زندگی میں وصول کرسکتا ہو بلکہ یہ رقم بھی دراصل مرنے کے بعد اس کے اہل خانہ کو ایک امدادی عطیے کے طور پر دی جاتی ہے جسے متوفیٰ کا ترکہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔*

۶۔ **پراویڈینٹ فنڈ:** پراویڈینٹ فنڈ ایکٹ ۱۹۲۵ء کے تحت ہر سرکاری ملازم کی ماہانہ تنخواہ میں سے کچھ رقم منہا کرکے محکمہ اپنے پاس جمع کرتا رہتا ہے جسے پراویڈینٹ فنڈ کہتے ہیں۔ کسی بھی سرکاری ملازم کو یہ اختیار ہے کہ وہ دوران ملازمت اپنی ہنگامی ضرورتوں کے پیش نظر اس فنڈ میں سے کچھ رقم نکلوا سکتا ہے۔ چونکہ اس فنڈ میں موجود رقم سرکاری ملازم کے نام پر جمع ہوتی ہے، اور اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے، لہٰذا یہ رقم ترکہ میں شمار ہوگی، جو متوفیٰ کے شرعی وارثوں میں ان کے شرعی حصے کے مطابق تقسیم ہونی چاہیے۔ اگر متوفیٰ اپنی زندگی میں کسی ایک شخص کو پراویڈینٹ فنڈ کا حق دار نامزد کرچکا ہے تو بھی اس نامزدگی کی

* ملاحظہ ہو: عثمانی، مفتی محمد تقی، عدالتی فیصلے، ادارہ اسلامیات، کراچی/لاہور، مارچ ۲۰۰۰ء، ۲: ۲۰۵

کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ ایسی صورت میں بھی پراویڈینٹ فنڈ نہ تو وصیت کہلائے گا اور نہ تحفہ یا وقف، بلکہ وہ ترکہ شمار ہوگا۔[۱]

۷۔ **پنشن:** پنشن ترکہ میں شامل نہیں ہے لہٰذا شرعی وارث اس کے حق دار نہیں ہو سکتے؛ لیکن ایسی پنشن جو ملازم کی زندگی میں واجب الادا ہو اور جس کا مطالبہ وہ لازماً کر سکتا ہو تو وہ پنشن اس کے ترکہ میں شمار ہوگی مگر ایسی پنشن جو اس کی زندگی میں واجب الادا نہ تھی وہ اس کا ترکہ شمار نہ ہوگی۔[۲]

پنشن کا حق دار کون: سول سروس ریگیولیشنز کے آرٹیکل نمبر ۴۲۷ کے مطابق کسی بھی سرکاری ملازم کی وفات کی صورت میں اس کے اہل خانہ پنشن کے حق دار ہوتے ہیں۔ اہل خانہ میں سرکاری ملازم کی بیوی یا بیویاں، اگر سرکاری ملازم عورت تھی تو اس کا خاوند، متوفیٰ کے نابالغ بچے اور اگر اس کا کوئی اور بیٹا فوت ہو چکا ہو تو اس کے بیوی بچے شامل ہیں۔ تاہم جہاں ماں بھی زندہ ہو اور اس کا اور کوئی سہارا نہ ہو تو احسان کا رویہ یہ ہے کہ بیوہ کے ساتھ ماں بھی شریک ہوگی۔

۸۔ اگر کسی مرنے والے کو اس کی خدمات کے صلے میں کسی ادارے یا حکومت کی طرف سے رقم یا کوئی جائداد دی جائے، تو ایسی رقم یا جائداد انتقال کے وقت متوفیٰ کی ملکیت نہ ہونے کی بنا پر ترکے میں شامل نہیں ہوتی؛ لہٰذا متوفیٰ کے اہل خانہ ہی اس کے حق دار ہوں گے اور شرعی ورثا کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔[۳]

۱۔ بحوالہ: ۸۰۲، 1999 CLC

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۶

۳۔ ایضاً

۹۔ **دیت:** دیت ترکے کا حصہ نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ترکہ وہ مال ہوتا ہے جو متوفیٰ / مقتول کی وفات کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ جبکہ دیت مقتول کی وفات کے بعد واجب ہوتی ہے، لہٰذا اسے ترکے کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا، لیکن دیت ترکے کی تقسیم کے اصول پر ہی تمام وارثوں میں تقسیم ہوتی ہے۔[۱]

۱۰۔ حکومت کی طرف سے بسا اوقات مختلف حادثات کا شکار ہونے والوں کے لواحقین کو جو معاوضہ ادا کیا جاتا ہے وہ نہ دیت ہوتی ہے اور نہ ترکہ، بلکہ وہ متوفیٰ کے اہل خانہ کے لیے حکومت کی طرف سے اس نقصان کی تلافی کی ایک صورت ہوتی ہے۔[۲]

۱۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان، دفعہ نمبر ۳۳۰؛ النساء ۴: ۹۲؛ جامع ترمذی، کتاب الدیات، حدیث ۱۳۱۵

۲۔ عدالتی فیصلے ۲: ۲۱۸

علم میراث / علم الفرائض

علم میراث وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ترکہ کی تقسیم اور اس کے مستحقین معلوم ہوتے ہیں۔ اسے "علم الفرائض" بھی کہتے ہیں، یعنی مقررہ حصوں کا علم۔[1] فرائض فریضۃ کی جمع ہے، اس کے لفظی معنیٰ ہیں وہ احکام جو ضروری اور مقرر ہوں، یعنی اس کے قواعد عام انسانوں کی مرضی پر نہیں چھوڑے گئے بلکہ خود اللہ اور اس کے رسول نے اس کے قواعد وضوابط مقرر فرمادیے ہیں۔ قرآن نے وراثت اور وصیت کے احکام بیان کرتے ہوئے کئی بار یہ کہا ہے: ﴿فَرِيضَةً مِنَ اللهِ﴾ (یہ فریضہ الٰہی ہے)، ﴿وَصِيَّةً مِنَ اللهِ﴾ (یہ اللہ کی تاکید ہے)، ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ﴾ (اللہ تمہیں تاکید کرتا ہے)، ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللهِ﴾ (یہ اللہ کے مقرر کردہ قواعد وضوابط [حدود] ہیں)۔

امتیاز واہمیت

میت کے ترکے کے متعلق (جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے) دور جاہلیت کی چند رسوم حسب ذیل تھیں:[2]

۱۔ ترکے میں وراثت جاری نہیں ہونی چاہیے، وہ قوم (حکومت) کی ملکیت ہے۔

۲۔ ترکہ تقسیم نہیں ہونا چاہیے، وہ خاندان کی مشترکہ جائداد ہے۔

۱۔ ملاحظہ ہو: زحیلی، د۔ وھبہ، الفقه الإسلامي وأدلته، دار الفکر، دمشق ۱۹۸۵ع، ۸: ۲۴۳؛ وراد کہ، د۔ یاسین احمد ابراہیم، المیراث في الشریعة الإسلامیة، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص ۷۲

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المیراث في الشریعة (حوالہ سابقہ)، مقدمہ: ربانی [مولانا] محمد خلیل اللہ، اصول وراثت ترکہ، خیرپور میرس، ۱۹۹۱ء، ص ۱۰

۳۔ ترکہ میت کے خَلَفِ اکبر (بڑے بیٹے) کا حق ہے، دوسرے سب قرابت دار محروم ہیں۔

۴۔ ترکہ کے مستحقین وہ مرد رشتہ دار ہیں جو میت کی وفات کے وقت دفاع اور جنگ لڑنے اور مالِ غنیمت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، باقی سب (صغیر، معذور، عورتیں) محروم ہیں۔

۵۔ ترکہ کے مستحقین صرف مرد ہیں، عورتیں محروم ہیں۔

جاہلیت کی ان تمام رسوم کے خلاف، اسلام کے امتیازی قانون کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ [النساء ۴: ۷] (مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت۔ یہ حصہ [اللہ کی طرف سے] مقرر ہے)۔

اس آیت میں پانچ قانونی حکم دیے گئے ہیں: ایک یہ کہ میراث صرف مردوں ہی کا حصہ نہیں ہے، عورتیں بھی اس کی حق دار ہیں۔ دوسرے یہ کہ میراث بہرحال تقسیم ہونی چاہیے خواہ وہ کتنی ہی کم ہو، حتیٰ کہ اگر مرنے والے نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اس کے دس وارث ہیں تو اسے بھی دس حصوں میں تقسیم ہونا چاہیے، یہ اور بات ہے کہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے ان کا حصہ خرید لے۔ تیسرے اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ وراثت کا قانون ہر قسم کے اموال واملاک پر جاری ہوگا خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، زرعی ہوں یا صنعتی یا کسی اور صنفِ مال میں شمار ہوتے ہوں۔ چوتھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث کا حق اس وقت پیدا ہوتا ہے جب مورث کوئی مال چھوڑ کر مرا ہو۔

پانچویں اس سے یہ قاعدہ بھی نکلتا ہے کہ قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر رشتہ دار میراث نہ پائے گا۔[1]

علم میراث کی اہمیت اور فضیلت

علم میراث کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل ارشادات نبوی ﷺ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جن میں اس علم کے سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی گئی ہے:

- عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلّموا الفرائض وعلّموه فإنه نصف العلم، وهو يُنسى، وهو أول شيء يُنزَع من أمتي[2] (لوگو، علم الفرائض [میراث] خود بھی سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ کہ یہ نصفِ علم ہے اور یہ پہلی چیز ہے جو میری امت سے اٹھا لی جائے گی)۔
- قال ابن مسعود قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: تعلّموا العلم وعلّموه الناس، تعلّموا الفرائض وعلّموها الناس، تعلّموا القرآن وعلّموه الناس، فإني امرؤ مقبوض، والعلم سيقبض وتظهر الفتن، حتى يختلف اثنان في فريضة لا يجدان أحداً يفصل بينهما[3] (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "علم خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ، علم الفرائض خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اور قرآن مجید خود سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ اس لیے کہ میں دنیا سے رحلت کر جاؤں گا اور علم اٹھا لیا جائے گا، اور ایک وقت ایسا

۱۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ۱: ۳۲۴

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب الحثّ علی تعلیم الفرائض، حدیث ۲۷۱۹، ۲: ۹۰۸؛ سنن دار قطنی، کتاب الفرائض ۴: ۶۷

۳۔ سنن دارمی، باب الاقتداء بالعلماء ۱: ۸۳، حدیث ۲۲۷

آئے گا کہ دو آدمی میراث کے کسی مسئلے کے بارے میں آپس میں اختلاف کریں گے مگر انہیں صحیح مسئلہ بتانے والا کوئی نہیں ہوگا)۔

- عن عبد الله بن عمرو بن العاص: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: العلم ثلاثة، وما سِوى ذلك فهو فضل: آية محكمة، أو سنة قائمة، أو فريضة عادلة (حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضروری علوم تین ہیں، باقی زائد ہیں: آیات محکمات کا علم، سنتِ ثابتہ کا علم اور [وراثت کی] منصفانہ تقسیم فراہم کرنے والا علم فرائض)۔*

علم الفرائض کی اہمیت اس بات سے بھی واضح ہو جاتی ہے کہ میراث کے اکثر و بیشتر احکام اور ہر وارث کے حصے خود قرآن مجید نے ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں اور اس کے احکام بیان کرنے کی ذمہ داری کسی انسان پر نہیں ڈالی۔ میراث کے بقیہ چند ہی احکام ایسے ہیں جو سنت نبوی ﷺ یا اجماع صحابہ سے ثابت ہیں۔ وراثت ملکیت مال کا ایک اہم ذریعہ ہے، جبکہ فرد و جماعت کے حوالے سے مال کو شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے جس سے زندگی کا نظام قائم ہے۔ اس بنا پر اس کے حصول کے ایک اہم ذریعے کے احکام کو پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کرنا ناگزیر تھا، تاکہ اس طرح اس حوالے سے پیدا ہونے والے تنازعات کا بھی سد باب ہو جائے۔

علم میراث کے مآخذ

علم میراث کے چار مآخذ ہیں: قرآن کریم، سنت مطہرہ، صحابہ کرامؓ کا اجماع اور ان کے انفرادی اجتہادات۔

---

* سنن أبو داؤد، کتاب الفرائض، باب ما جاء في تعليم الفرائض، حدیث ۲۸۸۵؛ سنن ابن ماجہ، باب اجتناب الرأي والقياس، حدیث ۵۴

ذیل میں میراث سے متعلق مفصل قرآنی آیات اور بعض احادیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قرآنی آیات

۱۔ ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ [النساء ۴: ۱۱] (تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر [میت کی وارث] دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی دیا جائے۔ اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے۔ اور اگر میت کے بھائی بہنیں بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور ساری مصلحتوں کا جاننے والا ہے)۔

۲۔ ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ

يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ﴾ [النساء ۴: ۱۲] (تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جبکہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکے میں سے چوتھائی کے حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو، ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو وہ ادا کر دیا جائے۔ اگر وہ مرد یا عورت [جس کی میراث تقسیم طلب ہے] بے اولاد بھی ہو اور اس کے باپ دادا بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا [ماں کی طرف سے] ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت جو کی گئی ہو وہ پوری کر دی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے بشرطیکہ وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ دانا و بینا اور نرم خو ہے)۔

۳۔ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [النساء ۴: ۱۷۶] (لوگ آپ سے "کلالہ" کے معاملے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی [سگی یا باپ کی طرف سے] ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکہ میں سے نصف پائے گی، اور اگر بہن بے اولاد مرے تو [سگا یا باپ کی طرف سے] بھائی اس کے پورے مال کا وارث ہوگا، اگر میت کی وارث [سگی یا باپ کی طرف سے] دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں دو تہائی کی حق دار ہوں گی، اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکہرا اور مردوں کا دوہرا حصہ ہوگا، اللہ تمہارے لیے احکام کی توضیح کرتا ہے تاکہ تم بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

احکامِ میراث سے متعلق احادیث

• حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: عن ابن عباس رضي الله عنهما: عن النبي صلى الله عليه و سلم قال: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولى رجل ذكر[1] (جن وُرثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دے دو، جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔

• حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: "جو مومن مال چھوڑ کر مرے، تو وہ اس کے عصبات / وُرثا کا ہو گا اور اگر اس پر قرضہ ہو یا کم سن بچے ہوں [اور ترکہ نہ چھوڑا ہو] تو وہ مجھ پر ہے۔"[2]

• حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فیصلہ فرمایا کہ "(میت کے) قرضہ کی ادائگی، وصیت کے نفاذ سے پہلے ہو گی، نیز سگے بہن بھائیوں اور باپ شریک بہن بھائی دونوں موجود ہوں تو سگے ہی وارث ہوں گے۔"[3]

• حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ اُحد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچا نے

۱۔ صحیح بخاری، كتاب الفرائض، باب۴، حدیث ۶۳۵۱؛ صحیح مسلم، كتاب الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حدیث ۱۶۱۵

۲۔ صحیح بخاری، كتاب الاستقراض، باب الصلاة على من ترك ديناً، حدیث ۲۳۹۹؛ صحیح مسلم، كتاب الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته

۳۔ مسند احمد ۱: ۱۳۱، حدیث ۱۸۱؛ سنن ترمذی، كتاب الفرائض، باب ميراث الاخوه من الأب والأم، حدیث ۲۰۹۴؛ ابن ماجہ، كتاب الوصايا، باب الدين قبل الوصية، حدیث ۲۷۱۵

پوری جائداد اپنے قبضے میں لے لی ہے اور ان کے لیے ایک حبہ تک نہیں چھوڑا، اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا۔ اس پر میراث کی درج بالا آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ان کے چچا کو بلا کر فرمایا: "بچیوں کو کل ترکہ کا دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دے دو، اس کے بعد جو بچ جائے وہ تمہارا ہے۔[1]

• حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ ایک عورت کا ترکہ اس کے شوہر اور سگی بہن میں کس طرح تقسیم ہو گا؟ تو انہوں نے دونوں کو ترکہ میں نصف نصف کا حق دار ٹھہرایا اور کہا کہ میں نے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو اسی طرح فیصلہ فرماتے دیکھا ہے۔[2]

• ھُزیل بن شُرَ حبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے میراث کے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں میت ایک بیٹی، پوتی اور بہن چھوڑ کر مرا تھا تو انہوں نے کہا کہ کل ترکہ کا نصف بیٹی کو اور بقیہ نصف بہن کو ملے گا۔ پھر کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی پوچھ لو وہ میری تائید ہی کریں گے۔ سائل نے حضرت ابن مسعودؓ کے ہاں حضرت ابو موسیٰؓ کا فتویٰ ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں بھی وہی فتویٰ دوں جو ابو موسیٰؓ نے دیا ہے تو یقیناً میں راہ راست سے بھٹک جاؤں گا۔ میں اس کے بارے میں وہی فتویٰ دوں گا جو آنحضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے دیا تھا: بیٹی کو کل ترکہ کا نصف، پوتی کو چھٹا حصہ (بیٹوں کے دو تہائی حصہ کی تکمیل کے طور پر) اور باقی بہن کا ہو گا۔ بخاری اور مسند احمد کی روایت

۱۔ مسند احمد ۳: ۳۵۲، حدیث ۱۴۵۰۴؛ سنن ابو داؤد، كتاب الفرائض، باب ميراث الصلب، حدیث ۲۸۹۲؛ سنن ترمذی، كتاب الفرائض، باب ميراث البنات، حدیث ۲۰۹۲؛ ابن ماجہ، كتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث ۲۷۲۰

۲۔ مسند احمد ۵: ۱۸۸، حدیث ۲۰۶۶۷، ۲۰۶۸۳

میں ہے کہ ہم نے حضرت ابو موسیٰؓ کو ابن مسعودؓ کے فتویٰ کے متعلق بتایا تو انہوں نے کہا کہ جب تک ایسا بڑا عالم تمہارے درمیان موجود ہو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔[1]

• اَسود کہتے ہیں کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن میں تھے، تو اس وقت انہوں نے میت کے وُرثا صرف بہن اور بیٹی ہونے کی صورت میں ہر ایک کو ترکہ میں سے نصف دیا، حضور اکرم ﷺ اس وقت ہمارے درمیان تھے۔[2]

• قَبِیصہ بن ذُؤیب کہتے ہیں کہ ایک دادی / نانی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے (اپنے پوتے / نواسے کے) ترکہ میں سے حصہ دینے کا مطالبہ کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں تمہارے حصے کا ذکر نہیں، نیز مجھے رسول اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ میں بھی تمہارے لیے کوئی حصہ ہونے کا علم نہیں۔ فی الحال تم چلی جاؤ میں لوگوں سے پوچھ کر تمہیں بتاؤں گا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ بن شُعبہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسے (دادی / نانی کو) چھٹا حصہ عطا فرماتے دیکھا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ایسی گواہی دے سکتا ہے؟ اس پر محمد بن مَسلمہ انصاریؓ اٹھے اور حضرت مُغیرہ کی بات کی تائید کی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے اسے ترکہ میں سے چھٹا حصہ دینے کا فیصلہ فرمادیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ایک اور دادی / نانی آپؓ کے پاس آئی جو حصہ طلب کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اسے کہا کہ اللہ کی کتاب میں

۱۔ مسند احمد ۱: ۳۸۹، حدیث ۴۳۶۸؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۸، حدیث ۶۷۳۶؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۰؛ سنن ترمذی، کتاب الفرائض، باب ۴، حدیث ۲۰۹۳؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب فرائض الصلب، حدیث ۲۷۲۱

۲۔ سنن ابو داؤد، کتاب الفرائض، باب میراث الصلب، حدیث ۲۸۹۳، حدیث ۶۷۳۴، کتاب الفرائض، باب میراث البنات، نیز بخاری میں بھی اس مفہوم کی حدیث روایت ہوئی ہے۔

تمہارے لیے کوئی حصہ مقرر نہیں، البتہ چھٹا حصہ ہے، اگر تم دونوں کسی مسئلے میں جمع ہو جاؤ تو یہ تم دونوں میں تقسیم ہوگا، اور اگر تم دونوں میں سے کوئی ایک ہی ہوگی تو یہ اس کا حصہ ہوگا۔[1]

• حضرت بُریدہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ماں کی عدم موجودگی میں دادی / نانی کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ عطا فرمایا۔[2]

• حضرت مِقدام بن مَعدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہوا ہو وہ اس کے وُرثا کا ہوگا، اور میں (اسلامی حکومت کے سربراہ کے طور پر) اس شخص کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، اس کی مالی ذمہ داریاں ادا کروں گا اور اس کے ترکہ کا وارث بنوں گا، اور جس شخص کا کوئی اور قریبی وارث موجود نہ ہو تو اس کا ماموں اس کا وارث قرار دیا جائے گا۔"[3]

• حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی بچے نے پیدائش کے بعد چیخنے کی آواز نکالی اور پھر فوت ہو گیا تو وہ وارث قرار دیا جائے گا۔"[4]

۱۔ موطا مالک ۲: ۵۱۳؛ مسند احمد ۴: ۲۲۵؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۴؛ ترمذی: کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۱۰۱؛ ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث الجدة، حدیث ۲۷۲۴

۲۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب الجدة، حدیث ۲۸۹۵

۳۔ مسند احمد ۴: ۱۳۱، ۱۳۳؛ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ذوی الارحام، حدیث ۲۸۹۹، ۲۹۰۰؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب ذوي الارحام، حدیث ۲۷۳۸

۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب في المولود يستهل ثم يموت، حدیث ۲۹۲۰

• حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: مسلمان کسی کافر کا اور نہ کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔"[1]

• حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: قاتل کو مقتول کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا۔[2]

۱۔ موطأ مالک ۲: ۵۱۹؛ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۲۶، حدیث ۶۷۶۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض باب ۱، حدیث ۴۱۴۰

۲۔ موطأ مالک ۲: ۸۶۷؛ مسند احمد ۱: ۴۹، حدیث ۲۹۶، ۳۶۷؛ سنن ابن ماجہ، کتاب الفرائض، باب میراث القاتل (عن أبي هريرہ)، حدیث ۲۷۶۶

اسلام کے نظامِ وراثت کی چند اہم خصوصیات

اسلام کے نظامِ وراثت کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دیگر نظاموں میں ہمیں نظر نہیں آتیں۔ ذیل میں ایسی چند خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے:

• اسلام نے وُرثا کی ایک بڑی تعداد کو ترکہ میں حصہ دار بنا کر ایک جگہ جمع ہو جانے والی دولت کو پھیلایا اور اسے گردش میں لایا ہے۔ اس سے ایک طرف بڑے بڑے سرمائے ایک جگہ جمع ہو رہنے کے بجائے مختلف چھوٹی چھوٹی ملکیتوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں، تو دوسری طرف خاندان کی اکائی مضبوط ہوتی ہے اور اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ ملکیت کے حوالے سے حسد و کینہ پروری اور کدورت کے عوامل ختم ہو جانے کی وجہ سے خاندان متحد و منظم رہتا ہے۔

• اسلام کے نقطۂ نظر سے ترکہ کی تقسیم ناگزیر ہے۔ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنے ترکہ میں سے حصہ پانے والے کسی وارث کو اس سے محروم یا عاق (disinherit) نہیں کر سکتا۔ وارث کو ہر صورت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ مل کر رہے گا، بشرطیکہ اس میں حصہ پانے کی شرائط پائی جائیں۔ البتہ وارث کسی ایک یا تمام وُرثا کے حق میں آزادانہ مرضی سے اپنے حصے سے دست بردار ہو سکتا ہے۔

• اسلام نے حصوں کی کمی بیشی میں قرابت داری کو بنیاد بنایا ہے۔ چنانچہ جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہے وہ نسبتاً دور والے رشتہ دار کو حصہ پانے سے محروم کر دے گا یا اس کے مقابلے میں زیادہ حصہ پائے گا۔ لہٰذا باپ کو دادا پر، ماں کو دادی اور نانی پر اور بیٹے کو پوتے پر، اسی طرح بیٹے، پوتے اور باپ کو بھائی پر فوقیت دی گئی ہے۔

• اسلامی قانونِ وراثت میں میت کے ترکہ میں سے حصہ پانے والوں کا تعین خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور ترکے کی تقسیم کا اختیار مورّث (میت) کو نہیں دیا۔ اس لیے کہ انسان

پر خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو سکتا ہے جن کی بنا پر وہ کسی وقتی جذبے کے تحت ترکے کے بعض حق داروں کو یا تو بالکل محروم کر سکتا ہے یا پھر بلا جواز ان کے حصوں میں کمی کر سکتا ہے۔ اس لیے شریعت اسلامیہ نے وُرثا اور ان کے حصوں کا تعین فرما کر اس بات کا سدباب کر دیا ہے۔

- اسلام نے قانون میراث کے ذریعے کمزور افراد، عورتوں اور بچوں کو ان کے حقوق دیے اور ان کا خاطر خواہ تحفظ کیا، جبکہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں عورت اپنے جائز حق وراثت سے محروم رہی ہے اور عموماً اسے نظر انداز کیا گیا ہے (جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل پہلے دی جا چکی ہے)۔
- اسلام نے بعض صورتوں میں ضرورت واحتیاج کو حصوں میں کمی بیشی کی بنیاد بنایا ہے۔ اسی لیے بیٹی کا حصہ اس کے بھائی کے مقابلے میں آدھا رکھا گیا ہے اس لیے کہ اسے مال ملکیت کی زیادہ ضرورت ہے، اس کی مالی ذمہ داریاں بیٹی کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ اس نے اپنی بیوی کو مہر دینا ہوتا ہے، اپنے بیوی بچوں، والدین، بہن بھائیوں اور دیگر رشتہ داروں کی اگر وہ تنگ دست ہوں، کفالت کرنا ہوتی ہے۔ جبکہ عورت پر اس طرح کی کوئی ذمہ داری اسلام نے نہیں ڈالی، بلکہ ولادت سے وفات تک اس کی کفالت کی تمام تر ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ عدل وانصاف کا تقاضا یہی تھا کہ اس کا حصہ بھی اس کے بھائی کے مقابلے میں کم رکھا جائے۔

ضرورت واحتیاج کے اسی اصول کے پیش نظر اسلام نے متوفّٰی کے بیٹے کا حصہ اس کے باپ کے حصے سے زیادہ رکھا ہے۔ اس لیے کہ بیٹا نوعمر ہے، اسے ابھی زندگی کے مسائل ومشکلات اور ذمہ داریوں کا سامنا کرنا ہے، جبکہ باپ بوڑھا اور کمزور ہے، اسے

اتنا ہی مال درکار ہے جس سے وہ اپنے بڑھاپے کی حفاظت کر سکے اور ضروریات زندگی کے لیے اسے کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔*

مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟

اسلام میں عورت کے حصے کا مرد سے آدھا ہونے پر مغرب کے طرز فکر سے متاثر حضرات کی طرف سے شبہات اور اعتراضات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ عورت کے ساتھ صنفی تخصیص روا رکھی گئی ہے، یا یہ کہ عورت کو آدھے مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ مرد کو دو حصے دیے جائیں اور عورت کو ایک، جبکہ عورت زیادہ قابل رحم اور مالی اعانت کی زیادہ مستحق ہے۔ وہ مردوں کی طرح تجارت وزراعت نہیں کر سکتی۔ شوہر کی دست بستہ غلام ہے۔ بچوں کی پرورش کرنے والی ہے۔ علاوہ ازیں حمل کی گرانی، وضع حمل کی تکلیف اور رضاعت کی محنت ومشقت اسے بالکل ناتواں کر دیتی ہے۔ اس لیے اس کا حصہ ہونا تو زیادہ چاہیے تھا اور اگر زیادہ نہیں کم از کم برابر تو ضرور ہونا چاہیے تھا!

ان سارے اعتراضات کی وجہ دراصل ہماری کم علمی اور ہمارے ہاں عورت کی موجودہ ابتر معاشی حالت ہے جس کا سبب اسلامی نظام میراث نہیں، بلکہ ہمارا معاشرہ ہے۔ ہمارے معاشرے میں آج تک عملی زندگی میں عورت کے حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا گیا، اور عموماً عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے، خصوصاً بیٹیاں پرایا دھن سمجھی جاتی ہیں، لہٰذا انہیں بوقت شادی جہیز کی صورت میں کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا جاتا ہے اور انہیں خاندانی جائداد اور وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ حالانکہ ایسا کرنے والا صریحاً اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔

* مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المیراث في الشریعة الإسلامیة، ص۴-۵۶

اسلام میں عورت کا حصۂ میراث نصف مقرر کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کار فرما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس نظام کی مصالح اور حکمتوں کو کماحقہ سمجھنا ہماری ناتواں عقل سے باہر ہے۔ بایں ہمہ اگر غور کیا جائے تو اس حکم کی حسب ذیل مصلحتیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو دوگنا حصہ اس کی ذمہ داریوں کی وجہ سے دیا ہے، کیونکہ زندگی میں زیادہ تر معاشی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داریاں بنیادی طور پر مردوں پر ہیں، جن سے عورت بالکل مستثنیٰ ہے، بلکہ خود عورت کی اپنی کفالت کا بار بھی شادی سے پہلے اس کے سرپرست پر رکھا گیا ہے اور شادی کے بعد خاوند یا اس کی اولاد پر۔ ایسی صورت میں دونوں کو مساوی حقوق دینا کس طرح قرین انصاف تھا۔

نامور مفکر محمد قطب لکھتے ہیں:

اسلام کا قانون یہی ہے کہ میراث میں مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے۔ یہ بالکل فطری اور منصفانہ تقسیم ہے کیونکہ اخراجات کی ذمہ داری مرد پر رکھی گئی ہے، عورت پر مالی ذمہ داریوں کا کوئی بوجھ نہیں رکھا گیا۔ دوسرے انداز سے دیکھیے: کل ورثے کا ایک تہائی عورت (بیٹی) کو صرف اپنی ذات کے لیے ملتا ہے، جبکہ باقی دو تہائی مرد (بیٹے) کو دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے بیوی بچوں اور خاندان کی ضروریات پوری کرے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وراثت کا بیشتر حصہ کس کو ملتا ہے عورت کو یا مرد کو۔*

مرد خاندان کی معاشی اور مالی ذمہ داریاں پوری کرنے کا پابند ہے۔ اگر وہ بیوی کو نان نفقہ دینے سے انکار کر دے یا آمدنی کے لحاظ سے اس کو کم خرچہ دے، تو بیوی ذاتی طور پر مال دار اور صاحب حیثیت ہونے کے باوجود بھی اس کے خلاف مقدمہ دائر کر کے نان و نفقہ کا مطالبہ

* محمد قطب، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات / شبہات حول الاسلام، IIFSO کویت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۹-۱۲۰

کر سکتی ہے۔ اس لیے مرد کو گھرانے کا سربراہ ہونے کی وجہ سے جو ذمہ داریاں پوری کرنا پڑتی ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ اسے وراثت میں زیادہ حصہ دیا جائے۔

۲۔ میراث میں آدھے حصے کی تلافی بھی اسلام کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک تو بیوی کو شوہر سے مہر دلواتا ہے جو کہ بلا شرکت غیرے صرف اسی کا ذاتی حق ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی میں جو مال و زر اور تحفے تحائف دیے جاتے ہیں، اس کی مالک بھی وہ خود ہی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کے پاس کوئی جائداد وغیرہ ہے، تو وہ صرف اسی خاتون کا حق ہے، کوئی اسے اس کے خاوند یا بچوں پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، جبکہ مرد قانوناً اپنے حصے کے مال و دولت کو دوسروں پر خرچ کرنے کا پابند ہے۔

ماں باپ کی طرف سے ملنے والا حصہ بھی ذاتی طور پر اسے مل جاتا ہے اور اسے اپنے بچوں یا شوہر کی کفالت بھی نہیں کرنی پڑتی۔

۳۔ قانون وراثت میں اصل اہمیت چونکہ نسب کو دی جاتی ہے، اس لیے اس ضابطے کے تحت ضروری نہیں کہ مرد کو زیادہ حصہ ہی ملے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک عورت مورّث (میت) سے قریبی تعلق رکھتی ہو اور اس مرد سے زیادہ حصہ پائے جو مورّث کا دور کا رشتہ دار ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاندان (والدہ، والد، بھائی، بہن وغیرہ) سے بھی وراثت میں حصہ پاتی ہے اور اپنے خاوند کے خاندان (خاوند اور اپنے بیٹے، بیٹیوں وغیرہ) سے بھی۔

۴۔ ان پہلوؤں سے قطع نظر، اصولی طور پر اسلام نے عورتوں کو سماج میں مردوں کے مساوی حیثیت دی اور وراثت کا مستحق ٹھہرایا۔ اسلام کی جانب سے عورتوں کی مزید عزت افزائی کا مظہر یہ ہے کہ اس نے تقسیم میراث میں حصہ نسواں کو اصل پیمانہ قرار دیا ہے اور اس کی نسبت سے مردوں کا حصہ بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي

أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ [النساء ۴: ۱۱] (تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے)۔

قرآن کی یہ تعبیر قابلِ غور ہے۔ یوں بھی کہا جاسکتا تھا کہ عورت کے لیے مرد کے حصے کا نصف ہے یا دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر حصہ ملے گا، لیکن اس کے بجائے یہ کہا گیا کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں میراث میں لڑکی کا حصہ اصل ہے؛ اسی لیے اسے تقسیم میراث کے معاملے میں پیمانہ اور بنیاد بنایا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ مستحقینِ میراث میں کچھ لوگ وہ ہیں جو دوسرے وارثین کی موجودگی میں میراث سے بالکلیہ مرحوم ہوجاتے ہیں، مثلاً بھائی جو باپ کی موجودگی میں محروم رہتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ وہ ہیں جو بالکلیہ تو محروم نہیں ہوتے البتہ ان کا حصہ کم ہوجاتا ہے۔ چھ وارثین ایسے ہیں جو کسی بھی حال میں میراث سے بالکلیہ محروم نہیں ہوتے: شوہر، بیٹا، باپ، بیوی، بیٹی اور ماں۔ اس فہرست میں اگر تین مرد ہیں تو تین عورتیں بھی ہیں۔

اس کے علاوہ میراث میں اصحاب الفروض کے جو حصے متعین کیے گئے ہیں، ان کے مستحقین میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں دوگنا ہے۔

نیز تقسیم میراث کے متعدد حالات ایسے ہیں جن میں عورت کا حصہ مرد کے برابر ہوتا ہے اور ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں ہوتی۔ جیسے: نرینہ اولاد کی موجودگی میں ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ میت کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی...) میں سے کوئی نہ ہو اور اس کے اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی ہوں تو سب ایک تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔ نیز بعض حالات میں حقیقی بہن اتنا ہی حصہ پاتی ہے جتنا حقیقی بھائی مستحق بنتا ہے۔

ان صورتوں کے علاوہ جن میں عورت کا حصہ مرد سے زیادہ یا اس کے برابر ہوتا ہے، صرف درج ذیل حالتوں میں ہی عورت کا حصہ مرد کا نصف ہوتا ہے۔ جیسے:

- اولاد اور شوہر یا بیوی کی عدم موجودگی میں ماں کا حصہ ایک تہائی ہوتا ہے اور بقیہ کا مستحق باپ قرار پاتا ہے۔
- میاں بیوی میں سے کوئی ایک وفات پاجائے اور دوسرے کو چھوڑ جائے تو عورت یعنی بیوی کا حصہ مرد یعنی شوہر کے مقابلے میں نصف ہوتا ہے۔
- اگر میت کی اولاد بیٹے بیٹیاں یا پوتے پوتیاں (تا آخر) ہوں تو ان کے درمیان میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر ایک لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔
- اسی طرح اگر میت کے حقیقی یا باپ شریک بھائی بہن ہوں تو ان کے درمیان بھی میراث اس طرح تقسیم ہوگی کہ ہر مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔

بایں ہمہ شریعت اسلامیہ کے پورے قانون میں معاشی، معاشرتی اور قانونی ذمہ داریوں کا بار چونکہ زیادہ تر مرد پر ہی عائد کیا گیا ہے، اس لیے عورت کو مرد کے مقابلے میں اکثر اوقات نصف حصہ یا نصف رتبہ دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر وراثت، دیت اور قانون شہادت وغیرہ میں عورت کا حصہ کئی جگہ مرد کے مقابلے میں نصف رکھا گیا ہے، مگر اس کا مطلب عورت کے درجے اور رُتبے میں کمی ہرگز نہیں؛ بے شمار دوسرے مواقع پر عورت کا درجہ زیادہ یا مساوی رکھا گیا ہے۔ مثلاً علم و عمل اور اُخروی اجر وثواب کے حصول میں دونوں میں کوئی فرق نہیں، جبکہ خدمت واطاعت میں اولاد کے لیے والدہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اولاد میں سے دُختری اولاد کی پرورش، تربیت اور نگہداشت پر لڑکوں کی نسبت زیادہ اجر وثواب ہے۔ علاوہ ازیں بہت سے مقامات پر اللہ تعالی نے عورت کا درجہ مرد سے بڑھا دیا ہے۔ اس طرح شریعت نے دونوں کے مابین توازن اور اعتدال قائم رکھا ہے جو صحت مند معاشرے کے لیے ضروری ہے۔

ترکۂ میت سے وابستہ حقوق*

کسی کی میراث یا ترکہ وُرثا کے درمیان اس وقت تک تقسیم نہیں ہو سکتا جب تک تین چیزوں (حقوق) کے اخراجات اس کے ترکے سے پورے نہ کر لیے جائیں۔ اگر ان تین چیزوں پر خرچ کے بعد کچھ بچے تو وہ وارثوں کو ملے گا۔ یہ تین چیزیں یا حقوق یہ ہیں:

۱۔ تجہیز و تکفین ۲۔ قرض کی ادائگی ۳۔ نفاذِ وصیت

۱۔ تجہیز و تکفین (Funeral Expenses)

یہ میت کے ترکے پر ثابت ہونے والے سب سے پہلے اخراجات ہیں۔ تجہیز کے بعد تکفین یا تدفین کے لفظ کا استعمال لفظِ عام کے بعد خاص کا استعمال ہے۔ تجہیز و تکفین کی ادائگی قرض پر مقدم ہے۔ اس لیے سب سے پہلے میت کے ترکے سے اس کی تجہیز و تکفین کی جائے گی۔ تجہیز و تکفین کے حوالے سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

۱۔ مردے کو کفن اسی حیثیت کا دینا چاہیے جس حیثیت کا کپڑا وہ اپنی زندگی میں عام طور پر استعمال کرتا تھا۔ بہت کم قیمت کفن دینا بھی اچھا نہیں ہے مگر اس کی حیثیت سے زیادہ بہت بیش قیمت کفن دینا بھی اسراف اور گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔

۲۔ ہر حال میں کچی قبر بنانی چاہیے، مرنے والا چاہے غریب ہو یا مال دار، قبر کی کھدائی کا خرچہ ترکے سے لے لینا چاہیے۔ اگر قبر کی زمین خریدنے کی ضرورت پیش آئے تو اس کی قیمت بھی ترکے سے لی جا سکتی ہے۔ اگر کہیں ضرورت ہو تو نہلانے والوں اور قبر تک پہنچانے کی مزدوری بھی ترکے سے دی جا سکتی ہے۔

---

* الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۶۹-۲۷۷؛ محمد علی الصابونی، المواریث في الشریعة الإسلامیة ص۳۴-۳۵؛ الموسوعة الفقهیة، وزارت اوقاف، کویت ۱۹۸۲ء، ۳: ۱۹-۲۱

غرض کہ تجہیز و تکفین کے سلسلے میں دو باتوں کا خاص طور پر خیال رہنا چاہیے۔ ایک یہ کہ تجہیز و تکفین کا خرچ میت ہی کے ترکے سے لیا جائے۔ اگر دوسرے اعزہ و اقارب اپنی خوشی سے اس کا خرچ برداشت کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں فضول خرچی بالکل نہ کی جائے ورنہ دوہرا گناہ ہو گا؛ ایک سنت نبوی کی خلاف ورزی کا، دوسرے وارثوں کی حق تلفی کا، کیونکہ ترکہ ورثا کا حق ہے۔

۳۔ عام طور پر قبرستان میں تدفین کے وقت جو صدقہ کیا جاتا ہے، یا کپڑا وغیرہ تقسیم کیا جاتا ہے، یا آنے والوں کی خاطر تواضع میں خرچ کیا جاتا ہے؛ اگر بالغ وُرثا ترکے سے اپنی خوشی سے ایسا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں مگر اس سلسلے میں دو تین باتیں ملحوظ رکھنی چاہییں:

ایک یہ کہ اگر ورثا میں کوئی نابالغ وارث بھی ہو تو پھر اس کے حصے سے صدقہ خیرات کرنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ عموماً ایسا نام و نمود کے لیے کیا جاتا ہے، اس لیے اگر صدقہ و خیرات کرنا ہے تو قبرستان کے بجائے اپنے گھر پر چھپا کر کرنا چاہیے۔ تیسرے یہ کہ جو لوگ تیجہ، چہلم اور برسی وغیرہ میں کھانے وغیرہ پر خرچ کرتے ہیں خواہ وہ ترکہ سے کریں یا اپنے پاس سے، دونوں صورتیں جائز نہیں۔ یہ چیز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین یا ائمۂ مجتہدین سے، اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۴۔ اگر کوئی دوسرا شخص ثواب کی نیت یا تعلق کی بنا پر تجہیز و تکفین کا خرچ دینا چاہتا ہے تو یہ ورثا کی مرضی پر ہے، اسے قبول کریں یا نہ کریں۔

۵۔ بیوی کی تجہیز و تکفین کا خرچ سب سے پہلے شوہر پر ہے۔ اگر شوہر موجود نہ ہو تو پھر بیوی کے ترکے سے لیا جائے گا۔

٦۔ اگر میت نے کوئی ترکہ چھوڑا ہی نہ ہو، تو اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ وہ لوگ برداشت کریں گے جو ترکہ چھوڑنے کی صورت میں اس کے وارث ہوتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک وارث کو اسی حساب سے خرچ دینا واجب ہے، جس حساب سے وہ وراثت میں حصہ پائے۔ مثلاً ایک وارث آدھا ترکہ پاتا اور دو وارث آدھے میں نصف نصف پاتے، تو اگر تجہیز و تکفین میں ایک ہزار روپے خرچ ہوں گے تو پانچ سو روپے پہلا وارث دے اور ۲۵۰، ۲۵۰ روپے دونوں وارث دیں۔

٧۔ اگر کسی کے وارث اور رشتہ دار نہ ہوں تو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہے اور جہاں اسلامی حکومت نہیں ہے وہاں اس بستی یا محلے کے لوگوں پر اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ واجب ہے، وہ چندہ کر کے پورا کریں۔[1]

۲۔ قرض کی ادائگی (Payment of Debts)

تجہیز و تکفین کے بعد جو بچے اس سے میت کے وہ قرضے ادا کیے جائیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو۔ اس میں بیوی کا مہر وغیرہ بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "مومن کی روح اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اس پر جو قرضہ ہو وہ ادا نہ کر دیا جائے۔"[2]

جو قرضے خالص حقوق اللہ ہیں، جیسے زکاۃ، کفارات، نذر؛ احناف کے نزدیک وہ ترکہ سے ادا نہیں کیے جائیں گے، البتہ باقی فقہا کے نزدیک ترکہ کی وُرثا میں تقسیم سے قبل ان کی ادائگی بھی ضروری ہے۔ حنفی فقہا اپنے موقف کے حق میں کئی دلیلیں پیش کرتے ہیں، ان

۱۔ ندوی، مجیب اللہ، اسلامی فقہ، پروگریسو بکس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ۲: ۲۸۲-۴۸۵

۲۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۴۹؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما جاء عن النبی ﷺ أنه قال: (نفس المؤمن معلقة بدينه حتى يقضى عنه)

میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت میں مکلف کی نیت اور اس کا فعل بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور موت کے ساتھ ہی اس کی نیت اور فعل دونوں ختم ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر وجوب باقی نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف حقوق العباد کی ادائگی کے لیے نیت اور فعل کی شرط نہیں ہوتی۔ ائمۂ ثلاثہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ موت سے حقوق کی ادائگی ساقط نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک یہ خالص اللہ تعالی کے حقوق نہیں، بلکہ ان میں بندوں (غربا و مساکین) کا حق بھی شامل ہے، اور اسی کو ترجیح حاصل ہے۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب متوفّٰی نے ایسے قرضوں (حقوق اللہ) کی ادائگی کے بارے میں وصیت نہ کی ہو۔ متوفی کی طرف سے وصیت ہونے کی صورت میں ترکہ کی تقسیم سے قبل بالاتفاق وہ بھی ادا کیے جائیں گے۔ (حنفی فقہا اس کو وصیت کا درجہ دے کر ان کی ادائگی کے لیے ایک تہائی ترکہ کی شرط لگاتے ہیں)۔

قرضوں کی ادائگی میں ترجیح

فقہا نے حقوق العباد کے سلسلے میں دَین (قرض) کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ دین الصحۃ اور دین المرض۔ دَین الصحۃ وہ قرض ہے جو شہادت سے ثابت شدہ ہو خواہ وہ قرض حالت صحت کا ہو یا حالت مرض کا، دونوں صورتیں برابر ہیں۔ نیز وہ قرض جو حالت صحت میں اقرار سے ثابت ہو وہ حالت صحت کا قرض کہلائے گا اور جو قرض بحالت مرض الموت میت کا اقراری ہو (یعنی شہادت وغیرہ سے ثابت شدہ نہ ہو) وہ دَین المرض کہلائے گا۔ جہاں تک ان دونوں کی ادائگی کا تعلق ہے، تو ان میں یہ فرق رکھا گیا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد دین الصحۃ کو دین المرض کے مقابلے میں ادا کرنے میں فوقیت حاصل ہوگی، لیکن دین المرض جو بحالت مرض الموت میت کے صرف اقرار سے ثابت ہو اس کو وصیت شمار کیا جائے گا اور اس کے وصیت ہونے کی حیثیت سے ترکے کی ایک تہائی کی حد تک قابل عمل ہوگا۔

حنفی فقہا نے یہ تفریق اس بنیاد پر کی ہے کہ اول تو اس دین کے ثبوت کا مرض الموت کی حالت میں میت کے اقرار کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ دوسرے مشاہدہ میں بارہا یہ بات آئی ہے کہ لوگ بوقت مرگ اپنے مالی معاملات میں تغافل سے کام لے کر دوسرے مستحق وُرثا کی حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

باقی تین ائمہ کے نزدیک مرض موت کی حالت میں میت کے محض اقرار سے قرضہ ثابت ہو جاتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک انسان اپنے آخری وقت اللہ کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کے اقرار کو جھوٹ کی تہمت سے محفوظ رکھتے ہوئے دَین المرض کو دَین صحت کے برابر سمجھا جائے گا اگرچہ دین مرض کے ثبوت کے لیے مرض موت میں میت کے اپنے اقرار کے سوا کچھ نہ ہو۔*

خلاصۂ بحث

خلاصہ یہ کہ حنفی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد یعنی قرضہ جات کی ادائگی کی جائے گی، بشرطیکہ وہ قرضے شہادت یا میت کے اقرار بحالت صحت سے ثابت شدہ ہوں۔ حقوق اللہ میت کے ترکے سے متعلق نہ ہونے کے سبب صرف وصیت کرنے کی صورت میں عمل پذیر ہو سکیں گے۔

مالکی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق العباد خواہ وہ دَین صحت ہوں یا دین مرض ادا کیے جائیں گے، اس کے بعد حقوق اللہ (زکاۃ، کفارات ...) ادا ہوں گے۔

شافعی فقہا کے نزدیک تجہیز و تکفین کے بعد حقوق اللہ کو سب پر فوقیت ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد خواہ دَین صحت ہو یا دَین مرض۔

* تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۶۱۶ - ۱۶۳۵

حنبلی فقہا کے نزدیک سب سے پہلے تجہیز و تکفین پھر حقوق العباد اور حقوق اللہ کی ایک ساتھ ادائگی (ترکہ کم ہونے کی صورت میں بقدر تناسب کمی کے ساتھ)۔*

۳۔ تنفیذ وصیت (Compliance of Bequest)

تجہیز و تکفین اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ترکے میں سے جو کچھ بچے، اس سے میت کی وصیت پوری کی جائے، لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ

۱۔ وصیت کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد نہ ہو۔

۲۔ وصیت کسی ایسے وارث کے لیے نہ ہو جس کو اس ترکہ میں سے از روئے شرع حصہ ملنا ہو۔

۳۔ وصیت کسی ناجائز کام کے لیے نہ ہو۔

اگر متوفّٰی نے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو یا کسی وارث کے لیے وصیت کی ہو تو ایسی وصیت دیگر وُرثا کی رضامندی سے پوری کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ اگر تمام وُرثا راضی نہ ہوں تو زائد وصیت کو کم کر کے ایک تہائی کر دیا جائے گا۔ اس بارے میں تفصیلی احکام کتاب کے دوسرے حصے "وصیت" کے تحت آگے آرہے ہیں۔

۴۔ وُرثا (Legal Heirs) میں تقسیم

مندرجہ بالا مصارف کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچے وہ میت کے وُرثا میں شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرنا چاہیے۔

* ایضاً، ص ۱۶۲۵

ورثا کی ترتیب

شریعت نے جن رشتہ داروں کو وارث ٹھہرایا ہے، استحقاق کے لحاظ سے وہ سب یکساں نہیں، بلکہ ان کے مختلف درجے اور مراتب ہیں۔ ورثا میں ترکہ کی تقسیم حسب ذیل ترتیب سے ہوگی:

۱۔ ذوی الفروض (Sharers)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیے ہیں اور جن کے متعلق قرآن مجید یا سنت رسول یا اجماع امت میں واضح احکام موجود ہیں۔

۲۔ عصبات (Residuaries)

یہ وہ رشتہ دار ہیں جن کا میت کے ساتھ نسبی تعلق براہ راست یا کسی مرد کے واسطے سے ہو۔ ان کا حصہ شریعت میں مقرر تو نہیں بلکہ اگر ان میں سے کوئی تنہا وارث ہو تو کل ترکہ کا اور ذوی الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ذوی الفروض کو دے کر جو کچھ بچ جائے وہ سب ان کو ملے گا۔

۳۔ ذوی الفروض نسبیہ پر رد (لوٹانا) (Return to Consanguine Sharers)

جب ذوی الفروض سے ترکہ بچ جائے اور عصبات بھی موجود نہ ہوں تو اس صورت میں باقی ماندہ ترکہ صرف ذوی الفروض نسبیہ پر ان کے سابقہ حصوں کے مطابق لوٹا دیا جائے گا (یعنی دوبارہ حصے دیے جائیں گے)۔ البتہ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) میں سے کسی کو بھی اس دوسری تقسیم سے حصہ نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ ترکہ میں ان کا استحقاق نکاح کے تعلق کی وجہ سے ہے کسی نسبی قرابت کی وجہ سے نہیں، جبکہ دوسری بار حصہ نسبی قرابت کی بنیاد پر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَٰئِكَ مِنكُمْ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [الانفال۸: ۷۵] (جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ

ہو کر جہاد کرتے رہے وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے)۔

۴۔ ذوی الارحام (Distant Kindred)

ذوی الارحام میت کے وہ تمام ددھیالی اور ننھیالی رشتہ دار ہیں جو ذوی الفروض یا عصبہ نہ ہوں اور میت سے ان کا رشتہ صرف کسی عورت کے واسطے سے ہو یا وہ خود عورتیں ہوں، جیسے نواسا، نواسی، نانا، بھتیجی، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ۔

ذوی الارحام اس وقت وارث ہوتے ہیں جب میت کے کوئی ذوی الفروض اور عصبہ ورثا موجود نہ ہوں یا صرف میاں بیوی میں سے کوئی موجود ہو۔ پہلی صورت میں پورا ترکہ اور دوسری صورت میں شوہر یا بیوی کے حصے سے جو کچھ بچ رہے، ذوی الارحام کو ملے گا۔

۵۔ میاں / بیوی پر رد (دوبارہ حصہ دینا) (Return to Spouce)

جب مذکورہ بالا مستحقین (ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام) میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو میاں بیوی میں سے جو موجود ہو اس کا حصہ اسے دینے کے بعد بقیہ ترکہ بھی اسی کو دے دیا جائے گا۔ یہی متاخرین حنفی فقہا ابن نجیمؒ، ابن عابدین شامیؒ وغیرہ کی رائے ہے۔[1]

پاکستان میں عدالتیں اسی نقطۂ نظر کے تحت فیصلہ کرتی ہیں، جس کے تحت میاں بیوی میں جو موجود ہو وہ بقیہ ترکے کا حق دار ہوتا ہے۔[2]

۶۔ عصبہ سببیہ (آزاد کرنے والا) (Successor by Contract)

اسلامی قانون میں غلام کو آزاد کرنے والا اس کا عصبہ سببیہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا میت اگر کسی کا غلام تھا پھر آزاد ہو گیا اور مر گیا، اگر اس کے مذکورہ بالا ورثا میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں 'معتق' (اس کا آزاد کنندہ) اس کا وارث بنے گا (آج کل اس کا وجود نہیں)۔

۱۔ ابن نجیم، الأشباہ والنظائر، قاہرہ، ۱۹۶۸ء، ص۲۹۷؛ ابن عابدین، ردّ المحتار، مصر، ۱۲۵۴ھ، ۵: ۵۵۶

۲۔ Hamid Khan, The Islamic Law of Inheritance, P. 215

۷۔ مقرلہ بالنسب علی الغیر (The Acknowledged Kinsman)

مقرلہ بالنسب علی الغیر وہ شخص ہے جس کے حق میں نسب کا اس طرح اقرار کیا گیا ہو کہ پہلے مقرلہ کے نسب کا غیر سے اقرار ہوتا ہو اور پھر مُقِر (اقرار کرنے والے) کی جانب منسوب ہو جاتا ہو۔ یعنی مقرلہ کا نسب اقرار کرنے والے کے کسی قرابت دار سے منسوب ہو اور پھر اس اقرار کرنے والے سے۔ اقرار کرنے والا مرتے دم تک اپنے اس اقرار پر قائم رہا ہو اور اس غیر نے اس اقرار کو تسلیم نہ کیا ہو، مثلاً کسی کو اپنا بھائی یا بہن کہا ہو۔ لیکن اس اقرار سے مقرلہ کا نسب مورث کے دوسرے قرابت داروں سے قائم نہیں ہوتا، مقرلہ محض اقرار کرنے والے کے اپنے ترکے کا حق دار ہو گا۔

جس کے حق میں نسب کا اقرار کیا جائے اس کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ یہ کہ اقرار کرنے والا بلا واسطہ اس کی نسبت اپنی ذات کی طرف کرے۔ جیسے کسی کے متعلق یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بیٹا یا بیٹی ہے۔ اس صورت میں پہلے اس شخص (مقرلہ) کا نسب اقرار کرنے والے سے بلاواسطہ ثابت ہو گا اور پھر اس کے بعد غیر سے ثابت ہو گا۔ چنانچہ اقرار کرنے والا پہلے باپ قرار پائے گا اور پھر اس کا باپ دادا ہو گا۔ اس صورت میں مقرلہ (جس کے لیے اقرار کیا گیا ہو) اقرار کرنے والے کا وارث ہوتا ہے۔

۲۔ یہ کہ اقرار کرنے والا اسی طرح نسب کا اقرار کرے کہ پہلے مقرلہ کا نسب غیر سے ثابت ہوتا ہو اور اس کے بعد اس غیر کے واسطے سے مقر سے ثابت ہو۔ جیسے کسی کے حق میں یہ اقرار کرے کہ یہ میرا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ ہے۔ اس صورت میں پہلے نسب باپ یا دادا سے منسوب ہو گا اور ان کے واسطے سے مقر کے اقرار سے ثابت ہو کر اس کا بھائی، بہن یا چچا وغیرہ قرار پائے گا۔ یہاں اسی دوسری قسم کا مقرلہ مراد ہے جس کے احکام مختلف ہیں۔

مقرلہ کے لیے جو شرائط رکھی گئی ہیں (جن کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جائے) اگر وہ پائی جاتی ہوں تو احناف کے نزدیک مذکورہ بالا وُرثا کی عدم موجودگی میں وہ وارث ہوتا ہے لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی مذاہب میں مقرلہ بالنسب علی الغیر کسی صورت وارث نہیں ہو سکتا۔

۸۔ ایک تہائی سے زائد وصیت کا نفاذ (The Universal Legatee)

اگر میت نے کل ترکہ کے ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی ہو تو ایسی وصیت کو وُرثا کے مفاد کے پیشِ نظر رد کیا گیا تھا۔ اگر کوئی وارث موجود ہی نہ ہو تو متوفیٰ کی وصیت پورے طور پر رُو بعمل لائی جائے گی، چاہے ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

۹۔ بیت المال (The State)

جب مذکورہ بالا مستحقین میں سے کوئی نہ ہو تو پھر اس میت کے وارث تمام مسلمان ہوں گے اور میت کا ترکہ بیت المال (اسلامی حکومت کے خزانہ) میں دیا جائے گا جس سے نادار مریضوں کا علاج، لقیط (گم شدہ بچہ) کا نان ونفقہ، جنایت کی دیت اور لاوارث ونادار اموات کی تجہیز وتکفین وغیرہ عمل میں لائی جائے گی۔

وراثت پانے کے اسباب،
شرائط اور موانع

وراثت پانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب اور شرائط پائے جائیں۔ نیز کوئی مانع بھی موجود نہ ہو۔

وراثت کے اسباب

بنیادی طور پر آج کل کے لحاظ سے وراثت سے حصہ پانے کے دو اسباب ہیں: رشتۂ نسب اور رشتۂ سبب (زوجیت)۔

۱۔ **رشتۂ نسب:** یہ کسی انسان کا وہ نسبی تعلق اور حقیقی قرابت ہے جو اسے اس کے اصول (باپ دادا) اور فروع (بیٹے پوتے) اور ان کے متعلقین کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اس میں درج ذیل افراد شامل ہیں:

۱۔ اولاد اور ان کی مذکر و مؤنث اولاد خواہ وہ کتنے ہی زیریں درجے کے ہوں۔

۲۔ باپ دادا اور ان کے اصول و آبا (والدین) اور ماں، دادی اور نانی خواہ وہ کتنے ہی بالائی درجے کے ہوں۔

۳۔ بھائی بہنیں اور حقیقی اور باپ شریک بھائی کی صرف نرینہ اولاد۔

۴۔ چچا اور ان کی صرف اولاد نرینہ۔

۲۔ **رشتۂ سبب (زوجیت):** اس میں وہ مرد و عورت شامل ہیں جن کے مابین نکاح صحیح کا تعلق ہو اور یہ مورّث کی وفات کے وقت تک قائم ہو۔ چاہے اس کے نتیجے میں زن و شوئی کے تعلقات قائم ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ اگر عقد صحیح کے بعد اور رخصتی سے پہلے میاں بیوی میں کوئی فوت ہو جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو گا۔ نیز اگر کسی عورت کے شوہر نے طلاق رجعی دے دی اور وہ عدت کے دوران فوت ہو گیا تو ایسی مطلّقہ شوہر کی

میراث سے حصہ پائے گی۔ نکاح فاسد یا باطل میں میاں بیوی کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوتی۔

وراثت کے شرائط

کوئی شخص وراثت میں حصہ پانے کا اس وقت ہی مستحق ہو سکتا ہے، جب اس کے اندر درج ذیل شرائط پائے جائیں:

۱۔ مورّث کا فوت ہونا

تقسیم ترکہ کے لیے مورّث کا وفات پانا اور اس کی وفات کا حقیقی طور پر یا لاپتا ہونے کی صورت میں عدالتی فیصلے کی روشنی میں ثابت ہونا ضروری ہے۔ اس لیے کہ کسی شخص کی زندگی میں اس کا مال و ملکیت ترکہ نہیں بن سکتی۔

۲۔ وارث کا زندہ ہونا

کسی مورّث کا وارث وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس کی وفات کے وقت حقیقتاً یا حکماً زندہ ہو۔ چنانچہ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کی وفات کے وقت اس کی بیوی یا بہو حاملہ تھی اور مقررہ مدت کے اندر اس نے زندہ بچے کو جنم دیا تو وہ اپنے باپ یا دادا کی وفات کے وقت سے حکماً زندہ تصور کیا جائے گا، اور اس کے ترکے میں سے حصہ پانے کا حق دار ہو گا۔

۳۔ وارث کی نوعیتِ قرابت کا علم ہونا

یعنی میت کے ساتھ اس شخص کے تعلق کی نوعیت بھی یقینی طور پر معلوم ہونی چاہیے کہ اس کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے۔ نکاح کا تعلق ہے یا نسبی تعلق۔ نیز نسبی تعلق میں وہ اس کے ساتھ اصول (آبا) کا تعلق رکھتا ہے یا فروع کا وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر تعلق کی الگ حیثیت اور حصہ ہے۔

وراثت کے موانع (Impediments)

درج بالا شرائط کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ متعلقہ وارث میں وراثت پانے میں کوئی مانع (رکاوٹ) موجود نہ ہو (مثلاً قاتل یا کافر ہونا وغیرہ)۔ یہاں ان موانع کی تفصیل دی جاتی ہے۔

تعریف: وہ حالات یا اسباب جن کی وجہ سے وُرثا میں سے کوئی شخص (چاہے میت کے ساتھ نسب و قرابت داری یا نکاح کا رشتہ رکھتا ہے) از روے شریعت اپنے موّرث کے ترکہ میں سے حصہ پانے کا اہل نہیں رہتا اور کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے "موانع ارث" کہلاتے ہیں۔

یہ پانچ موانع ہیں:

۱۔ غلامی (آج کے دور میں یہ موجود نہیں)

۲۔ وارث کا اپنے موّرث کو قتل کرنا

۳۔ وارث اور موّرث کا مذہب الگ الگ ہونا

۴۔ وارث اور موّرث کا اشتباہ (پہلے فوت ہونے والے کا علم نہ ہونا)

۵۔ اختلافِ دار

پہلا مانع: غلامی (Slavery)

غلام چاہے خالص غلام ہو یا مکاتب اور مدبَّر؛ وہ خود اور اس کا تمام کسب اور کمائی مال کی حیثیت میں ہے اور سب چیزیں اس کے مولیٰ (آقا) کی ملکیت میں ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کا وارث یا موّرث بننے کی اہلیت نہیں رکھتا، بلکہ عام مال ملکیت کی طرح مملوک اور ترکہ بنتا ہے۔

دوسرا مانع: موّرث کا قتل (Homicide)

اگر کوئی شخص اپنے موّرث کو ناحق قتل کر دے تو قاتل مقتول کے ترکہ اور وصیت دونوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لیس لقاتل میراث[1] (قاتل مقتول کے ترکہ میں سے کچھ نہیں لے سکتا)۔ اس لیے کہ قاتل مقتول کو قتل کر کے میراث قبل از وقت حاصل کرنا چاہتا تھا جبکہ فقہی قاعدہ ہے: من استعجل شيئاً قبل أوانه عوقب بحرمانه[2] (جو شخص کسی چیز کو قبل از وقت حاصل کرنا چاہے، اسے اس سے محرومی کی صورت میں سزا دی جائے گی)۔

کسی شخص نے قتل اگر اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو اور وہ قتل شرعاً ناجائز بھی ہو، یعنی قتل عمد ہو تو اس کے مانع ارث ہونے پر تمام فقہا کا اتفاق ہے۔ البتہ قتل کی دیگر اقسام کے بارے میں ان کے مابین اختلاف راے پایا جاتا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حنفی فقہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قتل سے قصاص یا کفارہ لازم آتا ہے، وہ مانع ارث ہوگا، ورنہ نہیں، اس قاعدہ کی رو سے قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور جاری مجری الخطا مانع ارث بنیں گے۔[3] حنفی نقطۂ نظر کے مطابق قتل کے مانع ارث بننے کے لیے دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک قاتل نے قتل اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہو، جیسے قتل عمد، شبہ عمد، خطا

۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الديات، باب القاتل لا يرث، حدیث ۲۶۴۶

۲۔ سیوطی، الأشباه والنظائر، قاعدہ ۳۰؛ ابن نجیم، الأشباه والنظائر، قاعدہ ۱۵

۳۔ الفقه الإسلامي وأدلته ۸: ۲۶۰؛ الموسوعة الفقهية ۳: ۲۳

قتل عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی ہو، مثلاً تیز دھار آلے سے قتل کرے جو بدن کو چیر تا کاٹتا اور جدا کرتا ہو۔

قتل شبہ عمد: جس کا بالارادہ ہونا یقینی نہ ہو، مثلاً دھار دار آلے کے بغیر کسی لاٹھی، ڈنڈے یا بھاری پتھر وغیرہ سے قتل کرے (امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہا کی راے اس بارے میں الگ الگ ہے)۔

قتل خطا: جس میں نیت اور ارادہ شامل ہو اور غلطی، لاپروائی، غفلت یا خطا کی وجہ سے واقع ہو۔

وغیرہ۔* دوسرے وہ قتل ناجائز طور پر ظلماً ہوا ہو۔ لہٰذا قتل بالسبب، کسی اور کو قتل پر اکسانے یا سچی خواہ جھوٹی گواہی دینے کی صورت میں جو قتل واقع ہو، وہ مانع ارث نہیں ہوگا۔ اسی طرح قاتل اگر نابالغ یا مجنون (پاگل) ہو، یا قتل جائز طور پر (مثلاً اپنا دفاع کرتے ہوئے) ہوا ہو تو ایسا قتل بھی وراثت میں مانع نہیں ہوگا۔

۲۔ مالکی فقہ میں صرف قتل عمد ہی مانع ارث ہے باقی اقسام نہیں۔ مالکیہ کے نزدیک قتل کے مانع ارث ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک عُدوان یعنی وہ قتل شرعاً ناجائز ہو اور قاتل کے لیے کوئی قابل قبول عذر موجود نہ ہو، چاہے قتل خود اس نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہو یا وہ اس کا سبب بنا ہو یا کسی اور شخص کو اس نے قتل کے لیے اکسایا ہو یا جھوٹی گواہی دے کر اپنے مورّث کو عدالتی فیصلے کے ذریعے قتل کرایا ہو۔ دوسرے قاتل مکلّف (یعنی عاقل وبالغ) ہو۔

۳۔ شافعی فقہ میں قتل کی تمام قسمیں بلا تخصیص مانع ارث ہیں، چاہے وہ قتل عمد ہو یا خطا اور بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اگرچہ قاتل غیر مکلّف ہی کیوں نہ ہو (جیسے نابالغ بچہ اور پاگل شخص وغیرہ)۔ اسی طرح اگر کسی قاضی یا جج نے اپنے مورّث کے قتل کا شرعی طور پر درست فیصلہ صادر کیا، یا کسی نے اپنے مورّث پر شرعی طور پر ضروری گواہی دی یا گواہوں کا تزکیہ کیا جس کی بنا پر اس پر قصاص یا حد جاری کی گئی تو ایسی ہر صورت میں یہ تمام لوگ مقتول کے وارث نہیں بن سکیں گے۔

۴۔ حنبلی فقہ میں جس قتل پر شریعت نے مالی یا بدنی (قصاص، دیت یا کفارہ) سزا رکھی ہو وہ میراث سے محروم کر دیتا ہے جیسے "ناجائز طور پر کیا گیا قتل عمد" کہ اس پر قصاص واجب ہوتا ہے، یا قتل خطا اور قتل بالسبب، کہ ان پر دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔ گویا قتل کے مانع

* تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عودہ، عبدالقادر، التشریع الجنائي الاسلامي، دارالحدیث، القاہرہ ۲۰۰۹ء، ۲: ۱۴۴- ۱۴۵

ارث ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار امام احمد کے ہاں شارع کی طرف سے سزا مقرر ہونے پر ہے۔ اس لیے وہ قتل جس پر کسی قسم کا ضمان (تاوان) عائد نہ ہو میراث سے محرومی کا سبب نہ ہوگا، جیسے قصاص کے طور پر کیا گیا قتل یا کسی جرم کی حد میں قتل وغیرہ۔[1]

پاکستان میں قانون مجموعہ تعزیرات کی دفعات ۳۱۵ اور ۳۱۷ کے تحت صرف قتل عمد اور شبہ عمد کو مانع ارث اور وصیت قرار دیا گیا ہے۔

تیسرا مانع: اختلاف دین (Difference of Religion)

یہ مانع مسلمانوں کی میراث کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس لیے مسلمان کسی غیر مسلم کا اور غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم[2] (مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا)۔

لیکن ایک عیسائی، یہودی کا، سکھ ہندو کا (وغیرہ وغیرہ) وارث ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس قاعدے کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہوگا۔

صحابہ وتابعین اور فقہا کی بہت بڑی اکثریت کا موقف یہی ہے کہ مسلمان کافر کا وارث بنے گا اور نہ کافر مسلمان کا۔ لیکن بعض فقہا کے نزدیک مسلمان کافر کا وارث ہوگا مگر کافر مسلمان کا نہیں۔ ان کا استدلال ایک روایت سے: الإسلام یعلو ولا یُعلی[3] (اسلام غالب رہتا ہے، کسی دوسرے مذہب کا اس پر غلبہ نہیں ہو سکتا)۔

۱۔ پہلی صورت میں قصاص اور دوسری اور تیسری صورت میں دیت اور کفارہ واجب ہوتا ہے۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب ۲۶، حدیث ۶۷۶۴؛ صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب ۱، حدیث ۴۱۴

۳۔ سنن دار قطنی، کتاب النکاح، حدیث ۳۹۵؛ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی... (تعلیقاً) ۲: ۹۳ (محدث البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے؛ صحیح الجامع الصغیر، حدیث ۲۷۷۸)

یہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت معاویہؓ اور بعض تابعینؒ کی رائے ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت میراث کے بارے میں نہیں بلکہ اسلام کے عمومی غلبہ اور فتح ونصرت کے بارے میں ہے، اس لیے اس سے استدلال محل نظر ہے۔ معاصر فقیہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور یورپ فتویٰ کونسل نے بھی اسی آخری رائے کو اختیار کیا ہے۔

مرتد کی میراث

جو شخص اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے وہ بھی کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ جمہور فقہا کا قول یہ ہے کہ کوئی مسلمان رشتہ دار بھی اس کا وارث نہیں بن سکتا، بلکہ اس کا سارا ترکہ بیت المال کو دے دیا جائے گا۔ حنفی فقہا یہ تفصیل پیش کرتے ہیں کہ جو مال اس نے مرتد ہونے سے پہلے حاصل کیا تھا وہ اس کے مسلم وُرثا کو دے دیا جائے، اور جو مرتد ہونے کے بعد حاصل کیا ہے وہ بیت المال کو دیا جائے۔ اور اگر مرتد عورت ہو تو اس کا تمام مال وملکیت اس کے مسلم وُرثا ہی کو دی جائے۔

چوتھا مانع: اشتباہِ وارث اور مورّث

یعنی یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون وارث اور کون مورّث ہے۔ مثال کے طور پر باپ بیٹا ایک حادثے میں اکٹھے فوت ہو گئے اور یہ پتا نہ چل سکا کہ کون پہلے فوت ہوا اور کون بعد میں۔ ایسی صورت میں ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہو گی۔ فقہا نے اس ضمن میں ایک قاعدہ وضع کیا ہے: لا توارث بين الغرقى والحرقى والهدمى * (بیک وقت ڈوب کر یا آگ میں جل کر یا کسی مکان کے نیچے دب کر ہلاک ہونے والے ایک دوسرے کے وارث نہ بن سکیں گے)۔

* تنوير الأبصار مع الدر المختار وردّ المحتار (حاشیہ ابن عابدین)، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۸ء، ۱۰: ۴۵۶

پانچواں مانع: اختلافِ دار
(Difference of Domicile or Allegiance)

فقہ حنفی کی قدیم کتب کی رُو سے کفار کے مابین دار یعنی مُلک کا اختلاف بھی مانع ارث ہے۔ یعنی ایک کافر دار الکفر میں ہو اور دوسرا دار الاسلام میں تو ان کے مابین وراثت جاری نہیں ہو گی۔ ایک شخص دار الاسلام کی حدود میں اس کا شہری ہو اور دوسرا دار الکفر کی حدود میں رہ کر وہاں کا شہری ہو تو غیر مسلم ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ جیسے حربی اور ذمی، یا ذمی اور مستأمن جو مختلف ملکوں میں ہوں کہ ایک دائرہ اسلام میں اسلامی حکومت کا مطیع ہو جزیہ دے کر یہاں کا شہری ہو اور دوسرا غیر مسلم دار الکفر کا شہری ہو، تو ایک کو دوسرے کی میراث نہیں ملے گی۔

اختلافِ دار (ملک) غیر مسلموں میں معتبر ہے، جیسے حربی، ذمی یا مستأمن۔ مسلمانوں میں اختلافِ دار (ملک) مانع ارث نہیں ہے، جیسا کہ ذکر ہوا یہ حنفی فقہا کی رائے ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک اختلاف دار سرے سے مانع ارث نہیں ہے۔

موجودہ دور میں مختلف ممالک کی الگ الگ قومیت (nationality) مسلمانوں کے مابین وراثت جاری ہونے میں رکاوٹ (مانع) نہیں۔

وُرثا/مستحقین ترکہ

LEGAL HEIRS

تجہیز و تکفین، قرض کی ادائگی اور اجرائے وصیت کے بعد ترکہ میں سے جو کچھ بچ جائے وہ میت کے مستحق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مستحقین کے بارے میں فقہا میں اگرچہ افراد اور ترتیب کے لحاظ سے جزوی اختلاف ہے، لیکن بحیثیتِ مجموعی وارثوں کی تین اقسام پر اتفاق پایا جاتا ہے (ان کی تفصیل ترتیب وار آگے آرہی ہے):

۱۔ ذوی الفروض ۲۔ عصبات نسبیہ ۳۔ ذوی الارحام

وُرثا (اصحاب الفروض اور عصبات) کی تفصیلی تعداد ۲۵ ہے، جن میں سے ۱۵ مرد اور ۱۰ عورتیں ہیں۔

مرد وُرثا

بیٹا، پوتا تا آخر، باپ، دادا تا آخر، سگا بھائی، سوتیلا بھائی (باپ کی طرف سے)، سوتیلا بھائی (ماں کی طرف سے)، سگے بھائی کا بیٹا، سوتیلے (باپ کی طرف سے) بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کی طرف سے چچا، سگے چچا کا بیٹا، باپ کی طرف سے چچا کا بیٹا، شوہر، آزاد کنندہ مرد۔

وارث عورتیں

بیٹی، پوتی، (پڑپوتی)، ماں، نانی، (پرنانی)، دادی، (پردادی)، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی، آزاد کنندہ عورت۔

باب ۳

ذوی الفروض

SHARERS

علم میراث کی اصطلاح میں ذوی الفروض یا اصحاب الفروض ان وُرثا کو کہا جاتا ہے جن کے حصے کی مقدار قرآن مجید، سنت رسول یا اجماعِ امت سے مقرر کر دی گئی ہے۔ فروض یا فرائض فریضۃ کی جمع ہے جس کے معنٰی ہیں مقرر اور متعین حصہ۔ ذوی جمع ہے ذو کی، جس کے معنی ہیں والا، مالک۔ یعنی مقررہ حصہ والا وارث۔ اس طرح لغت کے اعتبار سے ذوی الفروض اگرچہ ہر حصہ دار کو کہا جاسکتا ہے لیکن علم میراث کی اصطلاح میں "ذی فرض" سے ایک متعین حصہ دار مراد لیا جاتا ہے جس کا حصہ قرآن وسنت یا اجماعِ اُمت سے ثابت ہو۔

ذوی الفروض کو وراثت کے اسباب کے لحاظ سے دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے (جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے):

۱۔ ذوی الفروض سببیہ: ان کے تحت وہ ذوی الفروض شامل ہیں جو نکاحِ صحیح کی بنیاد پر وراثت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس میں صرف میاں اور بیوی شامل ہیں۔

۲۔ ذوی الفروض نسبیہ: میاں اور بیوی کے علاوہ باقی تمام ذوی الفروض اس تقسیم کے تحت آتے ہیں۔

ذوی الفروض دوسرے تمام وُرثا پر مقدم ہیں، کیونکہ اول تو خود اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے متعین فرما دیے ہیں اور دوسرے رسول اللہ ﷺ نے تصریح فرما دی ہے کہ ذوی الفروض کو سب سے پہلے ان کے حصے دو، پھر جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد کے لیے ہے: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولی رجل ذكر (جن ورثا کے حصے مقرر ہیں انہیں ان کے حصے دو، جو بچ جائے وہ زیادہ قریبی مرد رشتہ دار کا ہے)۔ لہٰذا جب تک ان لوگوں کو ترکے میں سے حصے نہ مل جائیں، دوسری قسم کے ورثا کو کچھ نہیں ملے گا۔

ذوی الفروض کو ملنے والے حصے چھ ہیں:

۱۔ نصف ۱/۲ (آدھا) ۲۔ رُبع ۱/۴ (ایک چوتھائی)

۳۔ ثُمن ۱/۸ (آٹھواں حصہ) ۴۔ ثُلثان ۲/۳ (دو تہائی)

۵۔ ثُلث ۱/۳ (ایک تہائی) ۶۔ سُدس ۱/۶ (چھٹا حصہ)

ان حصوں کے مستحقین کی تعداد ۱۲ ہے جن میں چار مرد اور آٹھ عورتیں ہیں جو یہ ہیں:
۱۔ باپ ۲۔ دادا ۳۔ شوہر ۴۔ اخیافی (ماں شریک) بھائی ۵۔ ماں ۶۔ بیٹی ۷۔ پوتی ۸۔ بیوی ۹۔ حقیقی بہن ۱۰۔ علاتی (باپ شریک) بہن ۱۱۔ اخیافی (ماں شریک) بہن ۱۲۔ جدہ صحیحہ (دادی اور نانی)۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وارث صاحب فرض بھی ہوتا ہے اور عصبہ بھی۔ اس صورت میں وہ پہلی حیثیت کی وجہ سے مقررہ حصہ لے گا اور دوسری حیثیت کی وجہ سے اصحاب الفروض سے باقی ماندہ بھی لے گا۔ اس بنا پر فرضیت اور عصبیت کے لحاظ سے کسی وارث کی چار حیثیتیں ہو سکتی ہیں:

۱۔ صرف صاحب فرض (مقررہ حصہ کا مستحق) ہو

۲۔ عصبہ (باقی ماندہ کا مستحق) ہو

۳۔ دونوں حیثیتوں کا حامل ہو (مقررہ حصہ بھی لے اور باقی ماندہ بھی)

۴۔ محجوب ہو (اسے کچھ بھی نہ ملے)۔

اس طرح کمیت (مقدار) کے لحاظ سے بھی حصوں میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ ان تمام تبدیلیوں کو ذوی الفروض کے حالات کہا جاتا ہے۔ ذیل میں دو نقشے دیے جاتے ہیں؛ پہلے نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ہر حصے کے کتنے مستحقین ہو سکتے ہیں۔ دوسرے نقشے میں تفصیلی طور پر حالات اور شرائط استحقاق بیان کیے گئے ہیں۔

نقشہ اول: حصص اور مستحقین

حصص	تعداد مستحقین	تفصیل
آٹھواں حصہ (ثُمن) ۱/۸	۱	بیوی
چوتھائی حصہ (ربع) ۱/۴	۲	شوہر، بیوی
نصف ۱/۲	۵	شوہر، ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک علاتی (باپ شریک) بہن۔
چھٹا حصہ (سُدس) ۱/۶	۷	ماں، باپ، دادا، جدہ صحیحہ (دادی + نانی)، پوتی، باپ شریک بہن، ایک ماں شریک بھائی یا بہن۔
تہائی حصہ (ثلث) ۱/۳	۲	ماں، ۲ یا زیادہ ماں شریک بہن بھائی
دو تہائی حصہ (ثلثان) ۲/۳	۴	۲ یا زیادہ بیٹیاں، پوتیاں، سگی بہنیں، باپ شریک بہنیں

نقشہ دوم: حالات ذوی الفروض وشرائط استحقاق

ذوی الفروض جملہ حالات	نمبر حالات	حیثیت	حصہ	شرائط
زوج (شوہر) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)
	۲	ذوی الفروض	ربع ۱/۴	جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس شوہر سے یا دوسرے شوہر سے)

زوجة (بیوی) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	ربع ۱/۴	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)۔ (ایک سے زیادہ ہونے کی صورت میں یہ حصہ ان میں برابر تقسیم کیا جائے گا)۔
	۲	ذوی الفروض	ثمن ۱/۸	جب میت کی کوئی اولاد موجود ہو (خواہ اس بیوی سے یا دوسری بیوی سے)
بنت (بیٹی) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا موجود نہ ہو۔
	۳	عصبہ بالغیر	بیٹے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود ہو (چاہے ایک ہو یا زیادہ)
بنت الابن (پوتی) ۶ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف	جب یہ ایک ہو اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہو۔
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ ۲ یا دو سے زیادہ ہوں اور میت کا بیٹا، بیٹی اور پوتا موجود نہ ہوں
	۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی ایک بیٹی موجود ہو اور بیٹا اور پوتا موجود نہ ہوں
	۴	عصبہ بالغیر فی الباقی	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا موجود نہ ہو اور بیٹی یا بیٹیوں کے ساتھ پوتا موجود ہو
	۵	عصبہ بالغیر فی الکل	پوتے کا نصف	جب میت کا بیٹا اور بیٹی موجود نہ ہوں اور پوتا موجود ہو
	۶	محجوب		جب میت کا بیٹا موجود ہو یا دو بیٹیاں موجود ہوں اور پوتا موجود نہ ہو
اخت لأب وأم (سگی بہن) ۵ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۲	فرضیت	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کا سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو

	۳	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۴	عصبہ بالغیر	بھائی کا نصف	جب میت کا سگا بھائی موجود ہو اور باپ، دادا اور اولاد نرینہ میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۵	محجوب	کچھ نہیں ملے گا	جب میت کا باپ دادا یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو (اس حالت میں سگا بھائی بھی محجوب ہو گا)
اخت لأب (باپ شریک بہن) ۷ حالتیں	۱	ذوی الفروض	نصف ۱/۲	جب یہ ایک ہو اور میت کے سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض	ثلثان ۲/۳	جب یہ دو یا زیادہ ہوں اور میت کے سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۳	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی صرف ایک سگی بہن موجود ہو اور سگا یا علاتی بھائی، باپ دادا یا اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو
	۴	عصبہ مع الغیر	بیٹی یا پوتی سے باقی	جب میت کی بیٹی یا پوتی موجود ہو اور سگے بہن بھائی، علاتی بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔
	۵	عصبہ بالغیر	علاتی بھائی کا نصف	جب میت کا علاتی بھائی موجود ہو اور سگا بھائی، باپ دادا اور نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو۔ (میت کی بیٹی یا پوتی زندہ ہونے کی صورت میں ہی یہ عصبیت بالغیر کے تحت حصہ پائے گی)
	۶	محجوب		جب میت کی دو سگی بہنیں موجود ہوں اور علاتی بھائی موجود نہ ہو یا عصبہ شدہ ایک بہن موجود ہو۔

وارث	نمبر	حیثیت	حصہ	شرط
	۷	محجوب		جب میت کا باپ، دادا، سگا بھائی یا نرینہ اولاد میں سے کوئی موجود ہو۔ (اس حالت میں علاتی بھائی بھی محجوب ہو گا)
أخ/ أخت لأم (ماں شریک بھائی اور بہن) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	۱/۶	میت کے مرد اصول (باپ، دادا) اور مرد یا عورت فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) موجود نہ ہوں (یعنی وہ کلالہ ہو) اور بھائی یا بہن ایک ہو
	۲	ذوی الفروض	۱/۳	اگر میت کلالہ ہو، اور ان کی تعداد ۲ یا ۲ سے زیادہ ہو
أم (ماں) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	جب میت کی اولاد یا کسی بھی جہت کے ۲ یا زیادہ بہن بھائی موجود ہوں
	۲	ذوی الفروض	ثلث ۱/۳	جب میت کی اولاد، نیز ۲ یا زیادہ کسی بھی جہت کے بہن بھائی موجود نہ ہوں، (اگرچہ ایک بہن یا بھائی موجود ہو)
	۳	ذوی الفروض	ثلث بعد فرض الزوجین	یہ حکم دو صورتوں میں منحصر ہے: ۱۔ جب وارث بیوی، ماں، باپ ہوں ۲۔ جب وارث شوہر اور ماں، باپ ہوں
جدة صحيحة (دادی نانی) ۲ حالتیں	۱	ذوی الفروض	سدس ۱/۶	ایک یا زیادہ ہوں۔ بشرطیکہ ایک درجہ کی ہوں اور میت کی ماں موجود نہ ہو دادی کے لیے مزید شرط یہ ہے کہ میت کا باپ بھی موجود نہ ہو
	۲	محجوب		میت کی ماں موجود ہو تو سب محجوب میت کا باپ موجود ہو تو دادی محجوب دادا موجود ہو تو اس سے اوپر والیاں محجوب قریبہ موجود ہو تو بعیدہ محجوب
أب (باپ) ۳ حالتیں	۱	ذوی الفروض فقط	سدس ۱/۶	جب میت کا بیٹا، پوتا یا پڑپوتا (تا آخر سلسلہ نرینہ اولاد) موجود ہو
	۲	ذوی الفروض + عصبہ	سدس اور باقی	جب میت کی بیٹی، پوتی، یا پڑپوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو

وارث	نمبر	حیثیت	حصہ	شرط
	۳	عصبہ فقط	کل یا باقی	جب میت کی کوئی اولاد موجود نہ ہو
جد صحیح (دادا) ۵ حالتیں	۱	ذوی الفروض فقط	سدس ۱/۶	جب میت کا بیٹا، یا پوتا، پر پوتا (تا آخر سلسلہ اولاد ذکور) موجود ہو، اور باپ موجود نہ ہو
	۲	ذوی الفروض + عصبہ	سدس ۱/۴	جب میت کی بیٹی، یا پوتی، پر پوتی (تا آخر سلسلہ اولاد اناث) موجود ہو اور باپ موجود نہ ہو
	۳	عصبہ فقط	کل یا باقی	جب میت کی اولاد اور باپ موجود نہ ہو
	۴	محجوب		جب میت کا باپ موجود ہو
	۵	جب دادا سگے یا باپ شریک بہن بھائیوں کے ساتھ ہو (اس کی تفصیل آگے الگ باب میں دی گئی ہے)		

باب ۴

عصبات

RESIDUARIES

ذوی الفروض کے بعد وُرثا کی دوسری قسم مورِث (میت) کے عصبات ہیں۔ ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو کچھ بچے، وہ عصبات کو ملے گا۔ عصبات عصبة کی جمع الجمع ہے، واحد عاصب ہے جو عصب سے ماخوذ ہے۔ عصب اس طاقت کو کہتے ہیں جو دوسری چیز پر چھا جائے، اسے گھیر لے، باندھ لے اور پابند کردے۔ اسی لفظ عَصبة کو خاص رشتوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی انسان کے باپ دادا اور بیٹے اور ان کی نرینہ اولاد، جو خاندان کے لیے پٹھوں کی مانند ہوتے ہیں، اس کا احاطہ کیے ہوتے ہیں اور اس کو کسی قانون کا پابند بناتے اور مصائب و مشکلات کے موقع پر اس کا دفاع اور مدد کرتے ہیں۔

عصبات کی اہمیت

جب حقیقت کے اعتبار سے خاندان کے مذکر افراد (باپ، دادا اور ان کی اولاد) ہی عصبہ ہیں تو ترکہ سے استحقاق میں ان کی اہمیت واضح تھی، اس لیے ان کے حصے مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ حصے تو ان وُرثا کے مقرر کیے گئے ہیں جن کے استحقاق کے بارے میں کسی طرح کوئی شبہہ ہو سکتا تھا۔ اسی حقیقت کے لحاظ سے مرد کو عصبہ بنفسہ (مستقل عصبہ) کہا جاتا ہے، اور عورت کو عصبہ بالغیر یا مع الغیر (غیر کے ذریعے یا غیر کے بل بوتے پر عصبہ بننے والی) کہا جاتا ہے۔

عصبہ کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں

علمِ فرائض کی رو سے عصبہ وہ شخص ہے جو تنہا وارث ہو تو کل ترکہ اور اگر اصحاب الفروض کے ساتھ وارث بنے تو ان سے جو بچ رہے اس کا مستحق ہو۔ ذوی الفروض کی طرح عصبہ کی بھی ابتدائی دو قسمیں ہیں: عصبہ سببیہ اور عصبہ نسبیہ۔

عصبہ سببیہ: معتِق (غلام کو آزاد کرنے والا) ہے، جس کا ذکر ترتیب مستحقین میں ہو چکا۔

عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ عصبہ بالنفس ۲۔ عصبہ بالغیر ۳۔ عصبہ مع الغیر

عصبہ بالنفس (Residuary in His Own Right)

وہ ددھیالی مرد رشتہ دار جس کا میت سے رشتہ بیان کرنے میں کسی عورت کا واسطہ درمیان میں نہ آئے۔ اس کی ترتیب وار چار اصناف (قسمیں) ہیں:

۱۔ میت کا بیٹا، پوتا، پڑپوتا تا آخر

۲۔ میت کا باپ، دادا، پردادا تا آخر

۳۔ باپ کی نرینہ اولاد، سگا یا سوتیلا (باپ شریک) بھائی، بھتیجا، تا آخر

۴۔ دادا کی نرینہ اولاد، سگا یا باپ شریک چچا، چچازاد، تا آخر

ان تمام اصناف میں میت کے دور اور نزدیک کے رشتہ دار موجود ہوتے ہیں، اور آخری دو صنفوں میں قوی القرابت (سگے) اور ضعیف القرابت (سوتیلے) کا فرق بھی واقع ہوتا ہے، لہٰذا عصبہ بنفسہ کے ترکے میں استحقاق کے لیے تین اصول مدنظر رکھے جاتے ہیں:

اصول ۱

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں تو الأقرب فالأقرب کے اصول پر عمل ہو گا، یعنی جو سب سے قریبی رشتہ دار ہو گا اسے سارا ترکہ مل جائے گا، باقی سب محروم ہوں گے، مثلاً کسی کا بیٹا اور پوتا دونوں موجود ہوں تو اگرچہ دونوں صنفِ اول (جزمیت) کے عصبہ ہیں لیکن بیٹے کا رشتہ زیادہ قریب کا ہے، کیونکہ پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے قائم ہوتا ہے، اس لیے وہ دور کا عصبہ ہوا۔ لہٰذا سارا ترکہ بیٹے کو ملے گا اور پوتا محجوب ہو گا۔ خواہ وہ اسی بیٹے کا بیٹا ہو یا کسی دوسرے بیٹے کا۔*

اصول ۲

اگر ایک ہی درجے کے کئی عصبات ہوں اور قرابت کے لحاظ سے بھی مساوی حیثیت کے حامل ہوں، مثلاً سب بیٹے ہوں یا سب پوتے ہوں یا سب پڑپوتے ہوں تو ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیا جائے گا۔

اصول ۳

اگر تمام عصبات ایک ہی درجے کے ہوں، رشتے میں ایک ہی نمبر پر ہوں لیکن رشتے کی نوعیت میں فرق ہو تو جو زیادہ قوی قرابت رکھتا ہو، ترکہ اس کو ملتا ہے، دوسرے محجوب ہوتے ہیں۔ مثلاً: سگے بھائی اور سوتیلے بھائی ہوں تو ترکہ سگے بھائی کو ملے گا، اور سوتیلا بھائی محجوب ہو گا، اسے کچھ نہ ملے گا۔ یا اگر سگے چچا اور سوتیلے چچا ہوں تو سگے چچا کو ترکہ ملے گا سوتیلے کو نہیں ملے گا۔

مزید وضاحت درج ذیل نقشے میں دیکھیں:

* یتیم پوتے کی وراثت کے بارے میں مسلم فیملی لا آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ پر تبصرہ اس باب کے آخر میں ملاحظہ ہو

درجہ اول۔ میت کے فروع: میت کی نرینہ اولاد، یعنی بیٹا، وہ زندہ نہ ہو تو پوتا، وہ نہ ہو تو پڑپوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ دوم۔ اصل میت: میت کا باپ، وہ زندہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو پر دادا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ سوم۔ جزء اصل قریب: میت کے باپ کی نرینہ اولاد، سگا بھائی، پھر سوتیلا (باپ شریک) بھائی، یہ نہ ہو تو سگے بھائی کا بیٹا، پھر سوتیلے بھائی کا بیٹا، یہ نہ ہو تو پھر سگے بھائی کا پوتا، پھر سوتیلے بھائی کا پوتا، آخر تک، اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

درجہ چہارم۔ جزء اصل بعید: میت کے دادا کی نرینہ اولاد، سگے چچا، پھر سوتیلے چچا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا بیٹا، پھر سوتیلے چچا کا بیٹا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پوتا، پھر سوتیلے چچا کا پوتا، یہ نہ ہوں تو سگے چچا کا پڑپوتا آخر تک اسی ترتیب سے وارث ہوں گے۔

عصبہ بالغیر (Residuary in Another's Right)

یہ وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائی کی موجودگی میں ان کے ساتھ بحیثیت عصبہ ترکہ پاتی ہیں، بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سوتیلی (باپ کی طرف سے) بہن۔ جب ان کے بھائی بھی موجود ہوں تو ان کے اپنے مقررہ حصے (۲/۱ یا ۳/۲) کے بجائے للذکر مثل حظّ الانثیین (یعنی مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا) کے اصول کے مطابق اپنے ہم درجہ بھائیوں کا آدھا ملے گا، لیکن پوتی پوتے کے ساتھ بھی عصبہ بالغیر بنتی ہے اور بعض اوقات پڑپوتے کے ساتھ بھی۔ باقی تین عورتیں صرف اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ ہی عصبہ بنتی ہیں۔ ان چار کے علاوہ کوئی اور عصبہ بالغیر نہیں بنتا۔ لہٰذا بھتیجیاں، بھانجیاں اور پھوپھیاں اپنے اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر نہیں بنیں گی۔ اس لیے کہ عصبہ بالغیر صرف وہ عورتیں بنتی ہیں جو ذوی الفروض ہوں جبکہ مؤخر الذکر عورتیں ذوی الفروض نہیں بلکہ ذوی الارحام ہیں۔

اولادِ میت کے احکام

اولادِ میت میں عصبہ بالغیر کا سلسلہ کسی حد پر ختم نہیں ہوتا، اس لیے ان کی قدرے تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ سلسلہ اولاد میں آخر تک ہر مذکر عصبہ بنفسہ ہے اور ہر مؤنث اگر تنہا ہو تو اصحاب الفروض میں سے، اور اپنے بھائی کے ساتھ ہو تو عصبہ بالغیر ہے۔

۲۔ ہر اولاد جو میت سے صرف کسی عورت کے واسطے سے تعلق رکھتی ہو (خود مذکر ہو یا مؤنث)، ذوی الارحام شمار ہوگی۔

۳۔ عصبہ بنفسہ جس درجے میں بھی ہو اپنے سے نیچے درجے کے ہر مذکر و مؤنث کو مجوب کردے گا، اور اپنی ہم درجہ، بیٹیوں، پوتیوں، نیز اوپر کی ان پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا جن کو ذوی الفروض ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ ملا ہو۔ (مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں دو یا زائد بیٹیاں اور ایک یا زیادہ پوتیاں ہوں تو اس صورت میں ۳/۲ بیٹیوں کا حصہ ہے اور پوتیوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو وہ اس کے ساتھ عصبہ بالغیر بن جائیں گی، اور بیٹیوں کو ان کا حصہ دینے کے بعد بچ رہنے والا ترکہ ان میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے اصول کے مطابق تقسیم ہوگا)۔

۴۔ بیٹی یا پوتی ہو تو نصف ۲/۱ اور اس سے نیچے درجے والی سدس ۶/۱ کی مستحق ہوگی، پھر اس سے نیچے تمام درجے مجوب ہوں گے۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ اپنے برابر والی اور اوپر کی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو اپنے ساتھ باقی ترکے میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے طریقے سے شریک بنائے گا اور نیچے والے مجوب رہیں گے۔

۵۔ ۲ بیٹیاں یا پوتیاں ہوں تو وہ ثلثان ۳/۲ کی مستحق ہوں گی اور ان سے نچلے درجے کی پوتیاں مجوب ہوں گی۔ البتہ اگر نیچے کسی بھی درجے میں پوتا موجود ہو تو وہ مذکورہ طریقے سے اپنے برابر والی اور اوپر والی حصہ نہ پانے والی پوتیوں کو عصبہ بالغیر بنائے گا۔

مثال: میت (زید)

درجات	حامد	محمود	منصور
۱	پوتی		
۲	پوتی	پوتی	
۳	پوتی	پوتی	پوتی
۴		پوتی	پوتی
۵			پوتی

تشریح

متوفی زید کی نو پوتیاں ہیں، جو تین بیٹوں (حامد، محمود اور [فوت شدہ] منصور) کی اولاد ہیں، اور مختلف درجات میں واقع ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں تو زید کے ترکے میں سے پہلے درجے کی پوتی کو نصف ۲/۱ دوسرے درجے کی دو پوتیوں کو سدس ۶/۱ ملے گا۔ پھر ان سے نیچے کے درجات میں چونکہ پوتیاں موجود نہیں، اس لیے بچ جانے والا ترکہ بھی انہی تینوں پر (ان کے حصوں کے مطابق) لوٹا دیا جائے گا اور نیچے والی چھ پوتیاں مجوب ہوں گی۔ البتہ اگر ان حصہ پانے والی پوتیوں سے نیچے کسی بھی درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو پھر باقی ماندہ ترکہ اس پوتے اور اس کے برابر اور اوپر مجوب ہونے ہونے والی پوتیوں میں للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق تقسیم ہو گا، اور پوتے سے نیچے والی پوتیاں محروم رہیں گی۔ مثلاً اگر منصور کا کوئی پوتا درجہ چہارم میں موجود ہو تو اس صورت میں صرف ایک پوتی (درجہ پنجم والی) مجوب ہو گی۔

مذکورہ مثال میں اگر میت کی ایک بیٹی بھی زندہ ہو تو اس کو نصف ۲/۱ اور پہلے درجے کی پوتی کو سدس ۶/۱ ملے گا۔ اس کے بعد تمام پوتیاں (پوتے کی عدم موجودگی میں) مجوب ہوں گی۔ اگر میت کی دو بیٹیاں زندہ ہوں تو پہلے درجے کی پوتی بھی (پوتے کی عدم موجودگی میں) مجوب ہو گی۔ اس لیے کہ بیٹیاں ثلثان ۳/۲ کی مستحق ہوں گی۔

مثال۱: میت (حامد) کل حصے ۶

۲ بیٹیاں	۲/۳	۶ = ۲ + ۴
پوتی	محروم	

لیکن اگر اس مثال میں میت کا پوتا یا پڑپوتا موجود ہو تو پوتی / پوتیاں اس کے ساتھ عصبہ بالغیر قرار پائیں گی:

مثال۲: کل حصے ۶

بیٹیاں	۲/۳	۴
پوتا / پڑپوتا پوتی / پوتیاں	عصبہ دو۔ ایک کی نسبت سے	۲

لیکن جہاں بیٹی ایک ہو، وہاں پوتی کا حصہ ۶/۱ ہوتا ہے، اگر اس کے ساتھ ہم درجہ پوتا پڑپوتا نہ ہو، تو پوتی اس ہم درجہ پوتے کے ساتھ عصبہ بالغیر ٹھہرے گی۔ اگر پڑپوتا ساتھ ہو تو پوتی اپنا حصہ ۶/۱ لے گی، جبکہ پڑپوتا عصبہ قرار پائے گا۔

مثال۳: (کل حصے ۴)

ایک بیٹی	۱/۲	۳
پوتی	۱/۶	۱

مثال۴: (کل حصے ۲)

ایک بیٹی	۱/۲	۱
پوتی اور پوتا	عصبہ (باقی)	۱

مثال۵: (کل حصے ۶)

ایک بیٹی	۱/۲	۳
پوتی	۱/۶	۱
پڑپوتا	عصبہ	۲

عصبہ مع الغیر (Residuary with Another)

ان سگی اور (باپ کی طرف سے) سوتیلی بہنوں کو کہتے ہیں جو بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ مل کر حدیث اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة* (بہنوں کو بیٹیوں / پوتیوں کے ساتھ عصبہ شمار کرو) کے مطابق ذوی الفروض سے بچ رہنے والے ترکے کی مستحق ہوتی ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ ساتھ ان کے بھائی نہ ہوں، ورنہ وہ عصبہ بالغیر کا حصہ پائیں گی۔ قوی قرابت کی ترجیح یہاں بھی ملحوظ ہوگی، لہٰذا سگی بہن کی موجودگی میں (باپ شریک) سوتیلے بھائی بہن محجوب ہوں گے۔

ضروری تنبیہ

عصبہ مع الغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی کا اپنا حصہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ اور دیگر اصحاب الفروض اپنا مقررہ حصہ وصول کریں گے۔ اس کے بعد جو باقی بچے گا وہ (سگی یا باپ

* امام بخاری نے اس قاعدے کو باب کا عنوان بنایا ہے اور اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس مضمون کی دو احادیث روایت کی ہیں: صحیح البخاری، کتاب الفرائض، باب ۱۲: اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة

شریک) بہنوں میں تقسیم ہوگا؛ جبکہ عصبہ بالغیر کی صورت میں بیٹی یا پوتی یا بہن کا اپنا حصہ ختم ہو جاتا ہے اور اپنے بھائی کی نسبت آدھا حصہ وصول کرتی ہے۔

مسئلہ مشترکہ / حماریہ*

تقسیم ترکہ کے سلسلے میں بنیادی اصول یہ ہے کہ تقسیم کا آغاز ذوی الفروض سے کیا جائے۔ ان کو مقررہ حصے دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ عصبات میں تقسیم کیا جائے۔ زیر نظر مسئلہ ایک استثنائی صورت ہے اور عصبات کو بعض ذوی الفروض کے ساتھ ان کے حصے میں شریک کیا گیا ہے۔ مسئلے کی صورت درج ذیل ہے:

متوفی نے اپنے پیچھے درج ذیل وُرثا چھوڑے:

شوہر، ماں، ۲ ماں شریک (اخیافی) بھائی یا بہنیں اور ایک یا زیادہ سگے بھائی۔

قاعدے کی رو سے سگے بھائی عصبہ قرار پاتے ہیں اور ترکہ ذوی الفروض میں پورا تقسیم ہو جانے کی وجہ سے ان کے لیے کچھ نہیں بچتا۔

اصل مسئلہ ۶

۱	شوہر	۱/۲	۳
۲	ماں	۱/۶	۱
۳	۲ ماں شریک بھائی / بہنیں	۱/۳	۲
۴	۲ سگے بھائی	عصبہ	ان کے لیے کچھ نہیں بچا

اس مسئلے کے حوالے سے صحابہؓ اور بعد کے فقہا کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور اُبی ابن کعبؓ کی رائے کے مطابق ترکہ اصل قاعدے کے

* الموسوعة الفقهية ۳: ۷۵-۷۶

مطابق تقسیم ہو گا اور سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائی بہنوں کے ساتھ ان کے حصے میں شریک نہیں کیا جائے گا۔ یہی رائے حنفی اور (راجح قول کے مطابق) حنبلی فقہانے اختیار کی ہے۔

حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نیز حضرت عمرؓ کی رائے کے مطابق سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ ایک تہائی (۱/۳) میں شریک کیا جائے گا۔ (اسی لیے اس مسئلے کو مسئلۂ تشریک یا مشترکہ اور مشرّکہ کا نام دیا گیا ہے)۔ یہ رائے مالکی اور شافعی فقہانے اختیار کی ہے۔

یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے جب دوسری مرتبہ پیش ہوا تو انہوں نے حسبِ سابق سگے بھائیوں کے میراث سے محروم ہونے کا فیصلہ دیا، جس پر بھائیوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین، فرض کریں، ہمارے والد کی حیثیت حمار (گدھے) یا ایک بے وقعت پتھر (حجر) کی تھی جسے دریابرد کر دیا گیا ہو، دیکھیے، کیا ہم ایک ہی ماں کی اولاد نہیں؟! چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا اور سگے بھائیوں کو، ماں ایک ہونے کی حیثیت سے اخیافی بھائیوں کے حصے میں برابر کا شریک کر دیا (اس مناسبت سے اس مسئلے کو "حماریہ" اور "حجریہ" کا نام بھی دیا گیا ہے)۔

یتیم پوتے کی وراثت

پاکستان میں یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق قانون مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ نمبر ۴ ہے جس کی رو سے دادا اور نانا کے ان پوتوں اور پوتیوں اور نواسوں اور نواسیوں کو دادا اور نانا کا وارث قرار دیا گیا ہے جن کے باپ یا ماں مورّث (دادا/ نانا) کی زندگی میں وفات پا گئے ہوں۔ مذکورہ دفعہ کا متن درج ذیل ہے:

وراثت شروع ہونے سے قبل مورّث کے کسی لڑکے یا لڑکی کی موت کی صورت میں ایسے لڑکے یا لڑکی کی اولاد، اگر ہو، جو وراثت شروع ہونے پر زندہ ہو، بحصہ رسدی اس حصے کے برابر حصہ پائے گی، جو ایسا لڑکا یا لڑکی اگر زندہ ہوتے تو پاتے۔

اس دفعہ کے اندر قرآن کے چار صریح اصولوں کی خلاف ورزی معلوم ہوتی ہے:

۱۔ قرآن ایک مورّث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کے حصے مقرر کرتا ہے جو مورّث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ بعض اُن رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے جو مورّث کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں۔ گویا اس دفعہ کی رُو سے پہلے یہ فرض کیا جائے کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورّث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کا حصہ نکالا جائے گا۔ پھر ان کا حصہ نکالتے ہی انہیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے وارثوں میں وہ تقسیم کیا جائے گا۔

۲۔ قرآن کریم میں جن رشتہ داروں کے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ ماں باپ، بیوی، شوہر اور مورّث کے کلالہ ہونے کی صورت میں بھائی اور بہن بھی شامل ہیں؛ لیکن آرڈیننس کی یہ دفعہ ان میں سے صرف بیٹوں اور بیٹیوں کو اس امتیاز کے لیے منتخب کرتی ہے کہ مورّث کی زندگی میں مر جانے کے باوجود وہ حصہ وصول کرنے

کے لیے مورث کی موت کے وقت زندہ فرض کیے جائیں اور پھر آگے حصہ تقسیم کرنے کے لیے مردہ تسلیم کر لیے جائیں۔

۳۔ قرآن کی رو سے ایک مورّث کے ترکے میں اس کے تمام بیٹے اور بیٹیوں کا حق ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں، شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں، بالغ ہوں یا نہ ہوں؛ لیکن اس آرڈیننس میں مزید امتیاز برتا گیا ہے کہ جو بیٹے اور بیٹیاں مورّث کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کو تو حصہ وصول کرنے کے لیے زندہ فرض نہیں کیا جائے گا، البتہ جو اولاد چھوڑ گئے ہوں ان کا حصہ وصول کیا جائے گا۔

۴۔ یہ آرڈیننس مزید امتیاز یہ برتتا ہے کہ فوت شدہ صاحب اولاد بیٹوں اور بیٹیوں کی بھی صرف اولاد کو حصہ پہنچتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی رو سے اگر مورّث کے مال میں ان کا کوئی حق ہے تو پھر وہ ان کی ماں یا ان کے باپ اور ان کی بیوی یا ان کے شوہر کو پہنچتا ہے۔ مثلاً ایک متوفی بیٹی کا حصہ نکالا جائے تو اس کا شوہر بھی حق دار ہے اگر وہ زندہ ہو، اور اس کی ماں بھی حقدار ہے اگر وہ متوفی باپ سے حصہ پا رہی ہو، اور اس کا باپ بھی حق دار ہے اگر وہ متوفی ماں سے حصہ پا رہی ہو۔ نانا سے صرف نواسوں اور نواسیوں کا حصہ دلوانا اور دوسرے وارثوں کا چھوڑ دینا قرآن کے احکام کے منافی ہے۔

جواز کی دلیل کا جائزہ

ان سوالات کے جواب میں زیادہ سے زیادہ جو بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ تمام نئے مفروضات اور قاعدے صرف قرآن کے اس منشا کو پورا کرنے کے لیے کیے گئے ہیں کہ یتامیٰ کی مدد کی جائے۔ اگرچہ بجائے خود یہ قاعدے اور مفروضے قرآن سے ماخوذ نہیں ہیں، لیکن یہ عذر دو وجوہ سے بالکل غلط ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا قانونِ میراث سرے سے اس اصول پر مبنی ہی نہیں ہے کہ کسی پر رحم کھا کر اس کی مدد کی جائے، ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ قرآن ایک مال دار رشتہ دار کو میراث کا حق پہنچاتا، محض اس بنا پر قاعدے کے مطابق

حق دار رشتوں کے دائرے میں آتا ہے، اور ایک انتہائی مفلس اور قابلِ رحم رشتہ دار کو محروم رکھنا محض اس بنا پر کہ وہ قاعدے کے مطابق حق دار رشتوں کے دائرے میں شامل نہیں ہے۔ ایک اپاہج مفلس بھائی کو محروم کرنا اور ایک دولت مند بیٹے کو دولت مند باپ کی جائداد کا وارث بنانا بالکل غلط ہو جاتا؛ اگر قانون میراث بنانے سے قرآن کا منشا یہ ہوتا کہ حاجت مندوں کی مدد کی جائے۔ دوسری وجہ جس کی بنا پر یہ عذر قطعاً غلط ہوگا، یہ ہے کہ اگر فی الواقع قرآن کا ایسا کوئی منشا ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیے تو آخر امر اس میں کیا مانع تھا کہ قرآن اپنے اس غامض منشا کو ایک صاف حکم کے ذریعے سے کھول دیتا۔ اگر قرآن نے نہیں کھولا تھا تو یہ منشا نبی ﷺ سے مخفی نہیں رہنا چاہیے تھا، آپ نے ایسا حکم کیوں نہ دیا؟ اگر حضور ﷺ نے اس کو نہیں کھولا تھا تو آخر کیا معقول وجہ تھی کہ چودہ صدیوں میں اسلام کے سارے فقہا سے مخفی رہ گیا۔

مسئلے کا صحیح حل

باپ کی زندگی میں فوت ہو جانے والے بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو جو مشکلات پیش آتی ہیں، ان کو حل کرنے کا صحیح طریقہ بارہا علما کی طرف سے پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ حل ایک تو دادا اور نانا کی طرف سے یتیم پوتے اور نواسے کے حق میں اپنی زندگی میں ہبہ کی صورت ہے جو پوری جائداد کا بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرا وصیت کے ذریعے ہے جو ایک تہائی جائداد تک ہو سکتی ہے۔ اگر دادا یا نانا اپنی زندگی میں یہ انتظام نہ کرے تو قانون کے ذریعے عدالت کو اس کا مجاز کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایسی صورت پیش آنے پر دادا یا نانا کی جائداد سے ایک تہائی تک

جتنا حصہ مناسب سمجھے یتیم پوتے تک پہنچادے۔ مصر میں یہی صورت اختیار کی گئی ہے۔[1] اس مسئلے کے بارے میں مزید تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں "وصیت" واجبہ اور یتیم پوتے کی وراثت" کے تحت ملاحظہ ہو۔

مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی اس دفعہ ۴ کو قرآن وسنت سے متصادم ہونے کی بناپر پہلی دفعہ پشاور ہائی کورٹ کے شریعت بنچ کے روبرو مسماۃ فرشتہ بنام سرکار مقدمہ میں چیلنج کیا گیا۔ چنانچہ پشاور ہائی کورٹ نے ۱۹۷۹ء میں اس دفعہ کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی قرار دیتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

To sum up we are of the considered opinion that section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance is against the injunctions of Islam and that it should be repealed.[2]

بحث کو سمیٹتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس کی دفعہ ۴ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے اور اسے کالعدم قرار دیا جائے۔

بعد ازاں ۱۹۸۰ء میں سپریم کورٹ آف پاکستان نے پشاور ہائی کورٹ کے اس فیصلے کو دائرہ سماعت نہ ہونے کی بناپر کالعدم قرار دے دیا۔ ۱۹۸۰ء میں فیڈرل شریعت کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا، لیکن دیگر تین قوانین کے ساتھ ساتھ شخصی قوانین کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے فیڈرل شریعت کورٹ اس پر غور وخوض نہ کر سکی، بعد ازاں سپریم کورٹ کے دیے گئے چند فیصلوں کی بنیاد پر وفاقی شرعی عدالت نے ۲۰۰۰ء میں مقدمہ

۱۔ مسلم فیملی لا آرڈیننس پر پاکستان کے علما کا تبصرہ (کتابچہ) مرتبہ میاں طفیل محمد، صفحات ۶-۹، مزید وضاحت کے لیے دیکھیے: مفتی محمد شفیع، جواہر الفقہ، مکتبہ دار العلوم، کراچی ۲: ۳۸۱- ۴۹۴

۲۔ PLD 1980 Peshawar 47

بعنوان اللہ رکھا بنام سرکار میں دفعہ ہذا کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے اسے قرآن وسنت کے منافی قرار دیا۔

63. In view of the foregoing discussion we hold that the provision contained in section 4 of the Muslim Family Laws Ordinance, 1961, as presently in force, is repugnant to the Injunctions of Islam and direct the President of Pakistan to take steps to amend the law so as to bring the said provision in conformity with the Injunctions of Islam. We further direct that the said provision which has been held repugnant to the Injunctions of Islam shall cease to have effect from 31st day of March, 2000.*

اس بحث کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلم عائلی قوانین آرڈیننس ۱۹۶۱ء کی دفعہ ۴ موجودہ شکل میں اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ چنانچہ ہم صدر پاکستان کو ہدایت کرتے ہیں کہ وہ اس دفعہ کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر مذکورہ قانون میں ترمیم کے لیے اقدامات کریں۔ مزید یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا شق، جسے اسلامی تعلیمات سے متصادم قرار دیا ہے، ۳۱ مارچ ۲۰۰۰ء سے غیر مؤثر اور ناقابل عمل تصور ہوگی۔

حکومت پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کے خلاف سپریم کورٹ اپلیٹ بنچ میں اپیل دائر کر دی جو تاحال زیر سماعت ہے۔ اپلیٹ بنچ کے حتمی فیصلے تک آئین کی رو سے وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ رو بعمل نہیں آسکتا۔

* اللہ رکھا بنام سرکار، PLD 2000 FSC

باب ۵

دادا (جد صحیح) کا میت کے حقیقی یا علاتی بہن بھائیوں کے ساتھ وراثت میں حصہ

اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا (جد صحیح true grandfather) باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس کو وہی حصہ ملتا ہے جو باپ کو ملتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں جد کو أب (باپ) کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبویہ میں بھی دادا کے لیے أب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ میراث میں دادا کے باپ کے قائم مقام ہونے کے متعلق صحابہ کرام کا اجماع ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن زبیرؓ کی رائے ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا اس کی جگہ لے گا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کا اس سے اختلاف منقول نہیں۔*

چنانچہ جب کسی میت کا باپ موجود ہو گا، دادا میراث نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر جد قریب دُور کے جد کا میراث سے حاجب (محروم کنندہ) ہو گا۔ لیکن اس کے باوجود کہ میراث میں باپ ہی کی طرح دادا کی تین حالتیں ہیں، وہ چند مسائل میں باپ سے مختلف بھی ہے، مثلاً:

۱۔ باپ کسی صورت میں میراث سے مجحوب (محروم) نہیں ہوتا، چنانچہ جب میراث کا کوئی امر مانع موجود نہ ہو تو کوئی دوسرا قرابت دار اس کو وراثت سے محروم نہ کر سکے گا۔ لیکن

* صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث الجد مع الأب والإخوة ۲: ۹۹۸

دادا باپ کے موجود ہونے سے محجوب ہو جاتا ہے جو کہ حجب حرمان کے درجہ کا ہوتا ہے، اسی طرح جد قریب جد بعید کے لیے حاجب ہوتا ہے۔

۲۔ باپ کے ساتھ باپ کی ماں وارث نہ ہوگی جس طرح ہر جد کے ساتھ اس کے باپ کی ماں وارث نہیں ہوتی، لیکن اگر کسی میت کا جد (دادا) موجود ہو اور اس کے ساتھ میت کے باپ کی ماں بھی موجود ہو تو اس صورت میں وہ وارث ہوگی۔

۳۔ مسئلہ غرّاویہ، یعنی جبکہ میت کے والدین اور شوہر یا بیوی (جیسی صورت ہو) میں سے ایک موجود ہو تو زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ دینے کے بعد باقی ترکہ کا ایک تہائی ماں کو ملے گا، کل ترکہ کا تہائی نہ ملے گا؛ لیکن اگر اس مسئلے میں باپ کی جگہ دادا موجود ہو تو ماں کل ترکہ کا ایک تہائی لے لی گی، کیونکہ میت کی ماں جد کی نسبت میت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔* البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسی صورت میں بھی میت کی ماں کو باقی کا تہائی ہی دیا جائے گا۔

۴۔ علما کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی میں میت کے ہر قسم کے بھائی بہن محجوب ہو جائیں گے، لیکن اگر باپ موجود نہ ہو اور دادا موجود ہو تو اخیافی بھائی بہن محجوب ہوں گے؛ اس پر اجماع ہے۔ البتہ حقیقی یا علاتی بھائی بہن کے وارث ہونے میں اختلاف ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ایک گروہ کا جن میں حضرت علیؓ و زیدؓ و ابن مسعودؓ شامل ہیں، یہ مذہب ہے کہ دادا کے ساتھ حقیقی و علاتی بھائی بھی وارث ہوں گے، اگر میت کے اولاد نہ ہو۔ اسی کو امام مالکؒ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، ابو یوسفؒ، محمد بن حسن الشیبانیؒ، ابن ابی لیلیٰؒ اور ابن شبرمہؒ نے اختیار کیا ہے۔

* ابوزہرہ، أحکام الترکات والمواریث، ص۸۵– ۱۸۲؛ جرجانی، سید شریف، الشریفیة شرح السراجیة، ص۱۹

البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک باپ کی غیر موجودگی اور دادا کی موجودگی میں تمام قسم کے بھائی بہن (بشمول حقیقی اور علاتی بھائی بہن) ساقط ہو جائیں گے۔[1] (اس کی تفصیل درج ذیل ہے)۔

میت کے حقیقی یا علاتی بھائی اور دادا

جبکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی بھائی بہن یا صرف بھائی یا بہنیں موجود ہوں تو اس حالت میں دادا کی میراث کا کیا حکم ہوگا؟ اس مسئلے میں خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے درمیان بھی خاصا اختلاف رہا ہے۔

شریفیہ (شرح سراجیہ) میں لکھا ہے کہ "ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر چند صحابہ بشمول ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرؓ، حذیفہ بن الیمانؓ، ابو سعید خدریؓ، ابی بن کعبؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ وغیرہ کا قول ہے کہ حقیقی اور علاتی بھائی بہن دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، (جیسا کہ وہ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے) بلکہ باپ کی طرح دادا کل ترکہ لے لیتا ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے، نیز اکثر تابعین بشمول شریحؒ، عطاؒ، عروہ بن زبیرؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اس کی تائید میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: زید بن ثابت اللہ سے نہیں ڈرتے، وہ پوتے کو بیٹے کا قائم مقام قرار دیتے ہیں مگر دادا کو باپ کا قائم مقام قرار نہیں دیتے! مطلب یہ ہے کہ بھائیوں کے مقابلے میں میت سے قرب و بعد کی جو نسبت پوتے کو ہے وہی نسبت دادا کو ہے، یعنی دونوں میں وراثت کی علت مشترک ہے۔ لہٰذا دونوں کا حکم بھائیوں کے محجوب کرنے کے سلسلے میں ایک ہونا چاہیے۔

۱۔ ابوزہرہ، أحکام التراث والمواریث، ص۱۷۹؛ جرجانی، الشریفیة، ص۱۹

۲۔ الشریفیة، ص۸۲

چنانچہ جس طرح پوتا بجائے بیٹوں کے بھائیوں کے لیے حاجب ہوتا ہے اسی طرح دادا باپ کی جگہ لے کر بھائیوں کے لیے حاجب ہونا چاہیے۔[۱]

چنانچہ قاضی شُریح، عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، داؤد بن علی الظاہری، عطاء، عروۃ ابن زبیر، ابن سیرین اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے ان صحابہؓ کا قول اختیار کیا جو کہتے ہیں کہ ہر قسم کے بھائی بہن دادا کے مقابلے میں وراثت سے محروم ہوں گے۔[۲] امام سرخسیؒ نے حضرات ابوبکر صدیق، ابن عباس، عائشہ صدیقہ، اُبی ابن کعب، ابوموسیٰ اشعری، عمران ابن حصین، عبداللہ بن زبیر اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب بیان کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق یہ ظاہر کیا ہے کہ آپ اس مسئلے میں آخر تک کوئی رائے قائم نہ کر سکے تھے۔[۳]

اس کے برخلاف حضرت علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور اکثر صحابہؓ کا قول ہے کہ دادا، جبکہ میت کی اولاد موجود ہو، باپ کی طرح ہے اور جب اولاد موجود نہ ہو بلکہ دادا کے ساتھ میت کے حقیقی یا علاتی (پدری) بھائی ہوں تو وہ باپ کی طرح ان لوگوں کا حاجب نہ ہوگا بلکہ علاتی بہن بھائی اس کے ساتھ وارث ہوں گے، البتہ دادا اخیافی (ماں شریک) بھائی بہنوں کا حاجب ہوگا۔[۴] یہی مذہب سفیان ثوری اور حنفی فقہا میں سے امام ابویوسف و محمد بن حسن الشیبانی، امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔ اس مسئلے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے دو روایتیں ہیں، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زید کے موافق ہیں۔

۱۔ ایضاً

۲۔ عمر عبداللہ، أحکام المواریث في الشریعة الإسلامیة، ص۱۹۵؛ الشریفیة، ص۸۲

۳۔ المبسوط ۲۹: ۸۰-۱۷۹؛ الشریفیة، ص۸۴

۴۔ الشریفیة، ص۸۲-۸۴

مقاسمة الجد میں طریق توریث

علم میراث میں دادا کی موجودگی میں بھائی کی میراث کے لیے مقاسمة الجد کی اصطلاح رائج ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ دادا کے ساتھ اگر میت کے بھائی بہن بھی موجود ہیں تو دادا کو بھی ایک بھائی کا حصہ دیا جائے، نہ یہ کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن بالکل محروم کر دیے جائیں، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ صاحبین اور ان کے متبعین مذہب کے نزدیک دادا کے ساتھ بھائی بہن موجود ہوں تو بھائی بہن بھی وارث ہوں گے اور دادا کو ایک بھائی کی حیثیت سے شریک کیا جائے اور للذکر مثل حظ الأنثیین کے مطابق میراث کی تقسیم ہوگی۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دادا درجہ دوئم کا عصبہ ہے جبکہ بھائی درجہ سوم کا عصبہ ہے۔ اس لیے الأقرب یَحجُب الأبعد کی بنیاد پر دادا کی موجودگی میں بھائی کو ترکہ میں سے حصہ نہیں ملنا چاہیے۔

مقاسمة کا لفظ باب مفاعلہ سے ہے جو قسمت (تقسیم) سے ماخوذ ہے۔ یہاں اس سے وُرثا کا باہم ایک دوسرے کے مقابلے میں ترکے کو اپنے لیے تقسیم کرا لینا یا کر لینا مراد ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ حضرت ابوبکر صدیق، ابن عباس، ابن زبیر، ابن عمر، حذیفہ ابن یمان، ابوسعید خدری، ابی ابن کعب، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری اور عائشہ صدیقہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب اختیار کیا ہے کہ میت کے دادا کی موجودگی میں میت کے بھائی بہن میراث سے محروم ہوں گے، دادا اور ان کے درمیان ترکہ کی باہمی تقسیم نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا اس مسئلے کو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر باب المقاسمة کے نام سے موسوم نہیں کیا جا سکتا اور نہ کیا گیا ہے، بلکہ صاحبین (امام ابویوسف و امام محمد رحمہما اللہ) کے مذہب کے مطابق چونکہ دادا کے ساتھ میت کے بھائی بہن محروم نہیں ہوتے بلکہ ترکے کی تقسیم میں دادا کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، اس لیے مسئلے کا نام مقاسمة الجد رکھا گیا ہے۔ اور یہی متاخرین

حنفی فقہا کے نزدیک مفتٰی بہ قرار پایا ہے۔ صاحبین نے صحابہ میں سے حضرت ابن مسعود، زید بن ثابت اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے قول کو اختیار کیا ہے۔

حضرت علیؓ کا مقاسمۃ الجد میں طریق توریث

اگرچہ حضرات علی، ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم نے بھائیوں کی موجودگی میں دادا کو حصہ دیے جانے میں اتفاق کیا ہے لیکن کیفیتِ تقسیم میں اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ کے نزدیک دادا کو چھٹا یا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا۔ یعنی حضرت علیؓ کی تقسیم اس طرح ہے کہ دادا بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ کرے گا جب تک کہ اس کا حصہ چھٹے سے کم نہ ہو اور جب مقاسمہ میں اس سے کم ہو تو اسے چھٹا حصہ دیا جائے گا کیونکہ باپ کا حصہ چھٹے حصے سے کم نہیں ہوتا۔

حضرت زیدؓ کے نزدیک دادا کو پورے ترکہ کے ایک تہائی یا مقاسمہ میں سے جو بڑا حصہ ہو وہ ملے گا، حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک بھی یہی صورت ہے، جبکہ کوئی اور ذی فرض نہ ہو۔

اگر حقیقی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی بھی ہوں تو حضرت علیؓ کے نزدیک علاتی بھائیوں کا سرے سے لحاظ نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اگر دادا کے ساتھ حقیقی اور علاتی بھائی ہوں تو میراث دادا اور حقیقی بھائی میں مقاسمہ کے طریقے پر تقسیم ہو گی۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے نزدیک دادا بہنوں کو (جبکہ بھائی کے ساتھ ہوں) عصبہ نہیں کرتا بلکہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں اگر ترکہ دادا، حقیقی بہن اور علاتی بہن میں تقسیم ہو تو حقیقی بہن کو نصف اور علاتی بہن کو چھٹا ملے گا، تاکہ دو تہائی پورا ہو جائے اور باقی دادا کو دیا جائے گا۔[1]

۱۔ الشریفیۃ، ص ۸۴

ابن مسعودؓ کا طریق توریث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کے لیے مقاسمہ کیا جائے گا، جب تک کہ اس کا حصہ تہائی سے کم نہ ہو، اس میں وہ حضرت زیدؓ سے متفق ہیں اور اس میں بھی کہ حقیقی بھائی کی موجودگی میں علاتی بھائی کا لحاظ نہ کیا جائے گا، نیز یہ کہ بہن دادا کے ساتھ ذی فرض ہو جائے گی، حضرت علیؓ کے ساتھ موافقت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس مسئلے میں یہ دونوں روایتیں منقول ہیں۔

زید بن ثابتؓ کا طریق توریث

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے نزدیک دادا کو حقیقی وعلاتی بھائی بہنوں کے ساتھ جبکہ کوئی ذی فرض ساتھ میں نہ ہو، مقاسمہ یا کل مال کی تہائی، جو زیادہ ہو، ملے گا۔

صاحبین نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے طریق توریث کے مقابلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق توریث کو پسند کیا ہے۔ متاخرین حنفی فقہا نے صاحبین ہی کے اختیار کردہ مذہب پر عمل کیا ہے۔ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ حضرت زیدؓ کے موافق ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا مسلک

امام احمد بن حنبلؒ بھی مقاسمۃ الجد کے قائل ہیں اور امام مالک، شافعی اور امام محمد (رحمہم اللہ) ودیگر سے متفق ہیں۔*

* المبسوط ۲۹: ۸۴؛ مجموعہ قوانین اسلام ۵: ۱۷۴۷-۱۷۵۹

باب ۶

حَجب

EXCLUSION

حَجب کا لغوی معنی روکنا، باز رکھنا اور منع کرنا ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا یا بالکل ختم ہونا حَجب کہلاتا ہے۔

حَجب کی اقسام

حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان اور حجب حرمان

حَجب نقصان (Partial Exclusion)

یعنی کسی مستحق کے موجود ہونے کی وجہ سے دوسرے مستحق کا حصہ کم ہونا۔ یہ صرف پانچ وُرثا سے متعلق ہے:

۱۔ شوہر: اس کا حصہ نصف ۲/۱ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر رُبع ۴/۱ ہو جاتا ہے۔

۲۔ بیوی: اس کا حصہ ربع ۴/۱ ہے، مگر اولاد کے موجود ہونے پر ثُمن ۸/۱ ہو جاتا ہے۔

۳۔ ماں: اس کا حصہ ثُلث ہے مگر اولاد یا دو اور اس سے زیادہ بھائی بہنوں کے موجود ہونے کی وجہ سے سدس ۶/۱ ہو جاتا ہے۔

۴۔ پوتی: اس کا حصہ نصف ۲/۱ ہے، مگر بیٹی کی موجودگی پر سُدس ۶/۱ ہو جاتا ہے۔

۵۔ سوتیلی بہن (باپ شریک بہن): اس کا حصہ نصف ۲/۱ ہے، مگر سگی بہن کے موجود ہونے پر سدس ۶/۱ ہو جاتا ہے۔

حجبِ حرمان (Total Exclusion)

یعنی کسی زیادہ قریبی رشتہ دار کی موجودگی پر دوسرے مستحق کا حصہ ختم ہوجانا۔ یہ بے شمار وُرثا پر لاگو ہوتا ہے۔ مگر چھ وُرثا: ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، میاں، بیوی کبھی بھی محجوب حرمان (محروم) نہیں ہوتے، بلکہ ہر صورت میں وراثت سے حصہ پاتے ہیں۔ البتہ مقدار میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جن وُرثا سے حجبِ حرمان متعلق ہوتا ہے، اس کے دو اسباب ہیں:

اول: ہر قریب بعید کو محجوب کردیتا ہے۔ مثلاً باپ دادا کو اور بیٹا پوتے کو محجوب کردیتا ہے۔

دوم: جس وارث کا میت سے رشتہ کسی دوسرے وارث کے ذریعے سے ہو تو مؤخر الذکر کے موجود ہونے پر وہ وارث محجوب ہوجائے گا۔

مثال کے طور پر دادا کا میت سے رشتہ باپ کے واسطے سے ہے اور پوتے کا رشتہ بیٹے کے واسطے سے ہے، تو باپ کے موجود ہونے پر دادا اور بیٹے کے موجود ہونے پر پوتا محجوب ہوگا۔ مگر اولاد الام (ماں شریک بہن بھائی، اخیافی) اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں کہ میت کے ساتھ ماں کے واسطے سے رشتہ رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ماں کے ہوتے ہوئے محجوب نہیں ہوتے۔

ممنوع اور محجوب کا فرق

۱۔ ممنوع الارث، وہ شخص ہے جو میراث کے موانع میں سے کسی مانع کی موجودگی کی وجہ سے ترکے سے حصہ پانے کا استحقاق کھو بیٹھے۔ جبکہ محجوب بحرمان وہ ہے جو اپنے سے زیادہ قریبی وارث کی موجودگی کی وجہ سے حصہ نہ پاسکے۔ بالفاظ دیگر ممنوع کو اس کا اپنا کوئی وصف یا حالت محروم کردیتی ہے، جیسے دِین الگ ہونا، قتل اور غلامی وغیرہ۔ جبکہ محجوب کو اپنا وصف محروم نہیں کرتا، بلکہ دوسرے وارث کی موجودگی اس کو محروم کرتی ہے۔ ممنوع من الارث کو اصطلاحاً محروم کہا جاتا ہے۔ لیکن عام زبان میں محجوب وارث کے لیے بھی لفظ محروم کبھی کبھی بول دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں اس سے اصطلاحی محروم مراد نہیں ہوتا۔

۲۔ ترکہ کی تقسیم میں محروم اور محجوب کا مختلف اثر ہوتا ہے۔ ایک محروم رشتہ دار کسی وارث کے حصے پر اثر انداز نہیں ہوسکتا، یعنی وہ نہ کسی کو مکمل طور پر محروم کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کا حصہ کم کرسکتا ہے۔ گویا اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ مثلاً کسی کا بیٹا کافر ہوجائے یا اپنے باپ کو قتل کردے تو وہ خود تو محروم قرار دیا جائے گا، لیکن اس کی وجہ سے میت کے پوتے یا میاں بیوی کے حصے میں کمی نہ ہوگی۔ لیکن اس بیٹے کے اندر ان موانع میں سے کوئی مانع نہ ہوتا تو وہ لازماً ان تمام وُرثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا۔

دوسری طرف ایک محجوب رشتہ دار اگرچہ خود ترکے میں سے کوئی حصہ نہ پائے یا کم حصہ پائے، مگر بعض اوقات دیگر وُرثا کے حصوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مثلاً کسی میت کے وُرثا میں سے اگر ماں باپ اور دو بھائی ہوں، تو اگرچہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے حصہ نہ پائیں گے، مگر ان کی وجہ سے ماں کا حصہ ایک تہائی ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ ہوجائے گا۔*

ممنوع یا محروم کی تقابلی مثال

الف۔ میت (زید)	کل حصے: ۲۴	
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۴
بیوی	حصہ ۱/۸	مقدار: ۳
بیٹا	عصبہ / باقی	مقدار: ۱۷
بھائی	محجوب	-

ب۔ میت (زید)	کل حصے: ۱۲	
ماں	حصہ ۱/۳	مقدار: ۴
بیوی	حصہ ۱/۴	مقدار: ۳
بیٹا (قاتل)	محروم	-
بھائی	عصبہ / باقی	مقدار: ۵

* الموسوعة الفقهية ۳: ۴۲؛ درادکہ، المیراث في الشریعة، ص۲۱۵؛ اصول وراثت ترکہ، ص۳۶

محجوب کی تقابلی مثال

الف۔ میت (زید)		کل حصے:۳
ماں	حصہ ۱/۳	مقدار: ۱
باپ	عصبہ/باقی	مقدار: ۲

ب۔ میت (زید)		کل حصے:۶
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱
باپ	عصبہ/باقی	مقدار: ۵
۲ بھائی	محجوب	ـ

حجب کی چند حل شدہ مثالیں

کل حصے: ۱۲

شوہر	حصہ ۱/۴	مقدار ۳ (حجب نقصان)	اس مثال میں بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے شوہر اور ماں کا حصہ کم ہو گیا۔
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار ۲ (حجب نقصان)	
بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۶	
سگا بھائی	عصبہ	مقدار ۱	

کل حصے: ۶

بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار ۳	اس مثال میں بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ ۱/۲ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو گیا۔ نیز اس مثال میں باپ کی دو حیثیتیں ہیں؛ وہ ذوی الفروض میں سے بھی ہے اور عصبہ بھی۔ بھائی چاہے سگا ہو یا سوتیلا، باپ کی وجہ سے وراثت سے حصہ پانے سے مکمل طور پر محجوب (محروم) ہو جاتا ہے۔
پوتی	حصہ ۱/۶	مقدار ۱	
باپ	۱/۶ + باقی بطور عصبہ	مقدار ۲	
بھائی	محجوب	ـ	

کل حصے: ۶

سگی بہن	حصہ ۱/۲	مقدار: ۳	اس مثال میں سوتیلی (باپ شریک) بہن کو سگی بہن کی موجودگی کی وجہ سے ۱/۲ کے بجائے ۱/۶ دیا گیا ہے۔ اس پر حجب نقصان لاگو ہوا ہے۔ بہن بھائی چونکہ ایک سے زیادہ ہیں، اس لیے ماں کا حصہ بھی ۱/۳ سے کم ہو کر ۱/۶ ہو گیا۔
سوتیلی (باپ شریک) بہن	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	
ماں	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	
سوتیلا (ماں شریک) بھائی	حصہ ۱/۶	مقدار: ۱	

کل حصے: ۲۴

بیوی	حصہ ۱/۸	مقدار: ۳	اس مثال میں سگا بھائی پوتے کی وجہ سے محجوب ہے۔
۲ بیٹیاں	حصہ ۲/۳	مقدار: ۱۶	
پوتا۔ پوتی	حصہ باقی	مقدار: ۵ ۲:۱ کی نسبت سے	
سگا بھائی	محجوب	ـ	

کل حصے: ۱۲

شوہر	حصہ ۱/۴	مقدار: ۳	اس مثال میں ماں شریک بھائی دادا کی وجہ سے محجوب ہے۔
بیٹی	حصہ ۱/۲	مقدار: ۶	
دادا	حصہ ۱/۶ + عصبہ	مقدار: ۵	
ماں شریک بھائی	محجوب	ـ	

باب ۷

وُرثا کے حصوں کے عددی اصول

اصول جمع ہے اصل کی، جس کا لغوی معنی "بنیاد" ہے۔ علم الفرائض کی اصطلاح میں اصل سے مراد وہ سب سے چھوٹا عدد ہوتا ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصے)، اکٹھے یا الگ الگ، بلاکسر نکل سکیں۔ ایسے عدد کو اصل، اصل مسئلہ یا مخرج الفروض بھی کہتے ہیں۔ علم حساب میں ایسے عدد کو ذو اضعاف اقل کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کو باہمی نسبت اور ضبط قواعد کے لحاظ سے ۲ انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر ایک کا اصل اور مثال درج ذیل ہے:

نوع اول	
فرض (حصہ)	اصل
نصف ۱/۲	۲
ربع ۱/۴	۴
ثمن ۱/۸	۸

نوع ثانی	
فرض (حصہ)	اصل
ثلثان ۲/۳	۳
ثلث ۱/۳	۳
سدس ۱/۶	۶

اس نقشے پر غور کرنے سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:

اول یہ کہ ہر نوع میں اوپر کا فرض نیچے کا دوگنا ہے اور نیچے کا فرض اوپر کا نصف (آدھا) ہے۔

دوم یہ کہ بڑے فرض کا اصل چھوٹا عدد ہے، اور چھوٹے فرض (حصے) کا اصل بڑا عدد ہے۔ مثلاً سب سے بڑا "فرض" (حصہ) ثلثان ۲/۳ ہے، اس کا اصل تین ہے اور سب سے

چھوٹا "فرض" (حصہ) ثمن ۸/۱اس کا اصل ۸ ہے۔ مذکورہ چھ فروض (حصوں) کا اصل معلوم کرنے کے پانچ قاعدے ہیں:

قاعدہ ۱

جب کسی ایک فرض کا اصل مطلوب ہو تو نصف کا اصل دو اور باقی سب کا اصل اس کے نام کا مشابہ عدد ہوتا ہے۔ مثلاً:

۱۔ ربع ۴/۱ کا اصل اربعۃ یعنی چار (۴)

۲۔ ثمن ۸/۱ کا اصل ثمانیۃ یعنی آٹھ (۸)

۳۔ ثلثان ۳/۲ اور ثلث ۳/۱ کا اصل ثلاثۃ یعنی تین (۳)

۴۔ سدس ۶/۱ کا اصل چھ (۶)

مثال کے طور پر اگر کسی مسئلے میں وُرثا ایک بیٹا اور شوہر ہوں تو اصل مسئلہ چار سے ہوگا۔ اس لیے کہ اولاد موجود ہونے کی وجہ سے شوہر ربع ۴/۱ کا مستحق ہے۔ چوتھا حصہ (یعنی ایک) اسے ملے گا، باقی بیٹے کی طرف منتقل ہوگا۔ علیٰ ھذا القیاس۔

قاعدہ ۲

جب کسی ایک ہی نوع کے دو یا زیادہ فروض کا مشترکہ اصل مطلوب ہو تو ان میں چھوٹے فرض (حصے) کا اصل سب کا اصل ہوگا۔ اس لیے کہ وہ بڑا عدد ہوگا جس سے سارے حصے نکل سکیں گے۔ جیسے: اگر کسی مسئلے میں نصف ۲/۱ اور ربع ۴/۱ ہوں تو ان کا اصل چار ہوگا۔ اس لیے کہ چار سے نصف ۲/۱ بھی بلا کسر نکل سکتا ہے اور ربع ۴/۱ بھی۔

اصل مسئلہ ۴		
بیوی	۱/۴	۱
بہن	۱/۲	۲
چچا	عصبہ/باقی	۱

اگر کسی مسئلے میں نصف (۱/۲) اور ثمن (۱/۸) ہوں تو اس کا اصل ۸ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۸			
بیوی	۱/۸	۱	یہاں بقیہ تین حصے بھی دوبارہ بیٹی کو دے دیے جائیں گے
بیٹی	۱/۲	۳+۴	

اگر کسی میں ثلثان (۲/۳) اور ثلث (۱/۳) موجود ہوں تو اصل مسئلہ تین ہوگا۔

اصل مسئلہ ۳		
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۲
۲ سوتیلی (ماں کی طرف سے) بہنیں	۱/۳	۱

اگر کسی مسئلے میں ثلثان (۲/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اصل مسئلہ چھ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۶		
ماں	۱/۶	۱
۲ بیٹیاں یا ۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴
باپ شریک بھائی	عصبہ	۱

اگر کسی مسئلے میں ثلث (۱/۳) اور سدس (۱/۶) ہوں تو اس صورت میں بھی اصل مسئلہ چھ ہوگا۔

اصل مسئلہ ۶		
ماں	۱/۳	۲
ایک ماں شریک بھائی	۱/۶	۱
سگا بھائی	عصبہ	۳

اصل مسئلہ ۶		
ماں	۱/۶	۱
۲ ماں شریک بھائی بہن	۱/۳	۲
چچا	عصبہ	۳

قاعدہ ۳

جب نوع اول میں سے نصف ۱/۲ نوع ثانی کے تمام یا کچھ فروض کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ چھ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۶		
بیٹی	۱/۲	۳
ماں	۱/۶	۱
بھائی	باقی	۲

اصل مسئلہ ۶		
سگی بہن	۱/۲	۳
۲ ماں شریک بھائی بہن	۱/۳	۲
باپ شریک بہن	۱/۶	۱
چچا		-

قاعدہ ۴

جب نوع اول میں سے ثمن ۱/۸ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ ۲۴ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۱۲		
بیوی	۱/۴	۳
ماں	۱/۶	۲
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۴
سگا بھائی	عصبہ	۳

اصل مسئلہ ۱۲		
شوہر	۱/۴	۳
باپ	۱/۶+عصبہ	۲ + ۱ = ۳
بیٹی	۱/۲	

قاعدہ ۵

جب نوع اول میں سے ثمن ۱/۸ نوع ثانی کے تمام یا بعض حصوں کے ساتھ ہو تو اصل مسئلہ ۲۴ ہو گا۔

اصل مسئلہ ۲۴		
بیوی	۱/۸	۳
بیٹی	۱/۲	۱۲
ماں	۱/۶	۴
باپ	۱/۶+ عصبہ	۴ + ۱ = ۵
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ ۲۴		
بیوی	۱/۸	۳
بیٹا	عصبہ	۱۷
باپ	۱/۶	۴
پوتا	محجوب	-

ورثا اگر صرف عصبات ہوں تو ان کا مسئلہ ان کی تعداد کے مطابق ہو گا۔ اگر وہ مذکر و مؤنث دونوں ہوں تو ہر مذکر کے دو حصے شمار ہوں گے (للذكر مثل حظ الأنثيين)۔

اصل مسئلہ ۳		
ایک بیٹا	عصبہ	۲
ایک بیٹی	عصبہ	۱
بھائی	محجوب	-

اصل مسئلہ ۶		
۲ سگے بھائی	۴	-
۲ سگی بہنیں	۲	-

باب ۸

عَول

DOCTRINE OF INCREASE

عول کا لغوی معنٰی مائل ہونا، بلند ہونا، زیادہ ہونا وغیرہ ہے۔

اصطلاحی معنٰی

عول کا اصطلاحی معنٰی یہ ہے کہ وُرثا کے حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جائے۔ کبھی یہ مشکل پیش آتی ہے کہ قواعد کے لحاظ سے تو اصل مسئلہ صحیح ہے، مگر مستحقین کے تمام حصے اس سے بر آمد نہیں ہوتے، یعنی حصوں کی تعداد بڑھ جاتی اور اصل مسئلہ کم پڑ جاتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ زائد حصوں کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھا دیا جاتا ہے۔ اس طرح اصل مسئلے کا عدد بڑھانے سے ہر ذی فرض (وارث) کے حصے میں متناسب کمی ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر ثلثان ۲/۳، ثلث ۱/۳ اور سدس ۱/۶ کسی مسئلے میں جمع ہوں تو قاعدے کے لحاظ سے اصل مسئلہ چھ ہے، مگر اس سے یہ تمام حصے پورے پورے بر آمد نہیں ہوتے (ایک حصہ کم پڑ جاتا ہے)، اس لیے اس صورت میں اصل مسئلہ ۶ کو بڑھا کر (حصوں کی تعداد کے مطابق) ۷ کرنا پڑتا ہے اور ہر وارث کے حصے میں اسی نسبت سے کمی کرنا پڑتی ہے، ایسے مسئلے کو "عائلہ" (عول والا مسئلہ) کہا جاتا ہے، صورتِ مسئلہ یہ ہے:

اصل مسئلہ ۶۔ عول ۷			
۲ سگی بہنیں	حصہ ۲/۳	اصل مقدار ۴/۶	موجودہ مقدار ۴/۷
۲ ماں شریک بہنیں	حصہ ۱/۳	اصل مقدار ۲/۶	موجودہ مقدار ۲/۷
ماں	حصہ ۱/۶	اصل مقدار ۱/۶	موجودہ مقدار ۱/۷

عول کی ابتدا

ایسا مسئلہ جس میں عول کی صورت تھی، سب سے پہلے حضرت عمرؓ کے دور میں پیش آیا تھا۔ آپ نے صحابہ (مختلف روایات کے مطابق حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ یا حضرت زید بن ثابتؓ) کے مشورے سے عول کا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ البتہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس سے اختلاف کیا۔*

عول کی صورتیں اور طریقہ

گزشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ چھ فروض (حصوں) کے اصل مسئلے کی بنیادی تعداد سات ہے: ۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴۔

ان میں سے عول صرف تین: ۶، ۱۲، ۲۴ میں واقع ہوتا ہے۔ اس طرح کہ:

- اصل مسئلہ ۶ ہو تو اس کے چار عول ہو سکتے ہیں: ۷، ۸، ۹، ۱۰
- اصل مسئلہ ۱۲ ہو تو اس کے تین عول ہو سکتے ہیں: ۱۳، ۱۵، ۱۷
- اصل مسئلہ ۲۴ ہو تو اس کا صرف ایک عول ہو سکتا ہے: ۲۷

عول کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الفروض وُرثا کے حصوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ شمار کنندہ (کسر کے اوپر کا عدد) نسب نما (کسر کے نیچے کا عدد) سے بڑھ جاتا ہے، لہٰذا تمام وارثوں کا حصہ متناسب طور پر کم کرنے کے لیے نسب نما کو شمار کنندہ کے برابر کر دیا جاتا ہے۔

مثال۱: اصل مسئلہ ۶، عول ۷

۲ سگی بہنیں ۲/۳ = ۴/۶

۲ ماں شریک بہنیں ۱/۳ = ۲/۶

ماں ۱/۶ = ۱/۶

* المبسوط ۲۹: ۱۶۱، ۱۶۲؛ العذب الفائض ۱: ۱۶۵

نسب نما (۶) کو شمار کنندہ (۷) کے برابر لانے سے ۷/۶ کی کسر ۷/۷ ہو گئی۔

اب ان ورثا کے حصے یوں ہو گئے:

۲ سگی بہنیں (۴/۶ کے بجائے) ۴/۷

۲ ماں شریک بہنیں (۲/۶ کے بجائے) ۲/۷

ماں (۱/۶ کے بجائے) ۱/۷

مثال۲: اصل مسئلہ ۱۲، عول ۱۵

شوہر ۱/۴ = ۳/۱۲

۲ بیٹیاں ۲/۳ = ۸/۱۲

ماں ۱/۶ = ۲/۱۲

باپ ۱/۶ = ۲/۱۲

نسب نما (۱۲) کو شمار کنندہ (۱۵) کے برابر کرنے سے ۱۵/۱۲ کی کسر ۱۵/۱۵ ہو گئی۔

اب ان وارثوں کے حصے یوں ہوں گے:

شوہر: (۳/۱۲ کے بجائے) ۳/۱۵

۲ بیٹیاں: (۸/۱۲ کے بجائے) ۸/۱۵

ماں: (۲/۱۲ کے بجائے) ۲/۱۵

باپ: (۲/۱۲ کے بجائے) ۲/۱۵

چند مزید مثالیں

اصل مسئلہ ۶ – عول ۷			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۷
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۷
کل حصے ۷			

اصل مسئلہ ۶ – عول ۸			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۸
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۸
۱ ماں شریک بہن یا بھائی	۱/۶	۱/۶	موجودہ ۱/۸
کل حصے ۸			

اصل مسئلہ ۶ - عول ۹			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۹
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۹
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۹
کل حصے ۹			

اصل مسئلہ ۶ - عول ۱۰			
شوہر	۱/۲	۳/۶	موجودہ ۳/۱۰
ماں	۱/۶	۱/۶	موجودہ ۱/۱۰
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۴/۶	موجودہ ۴/۱۰
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۲/۶	موجودہ ۲/۱۰
کل حصے ۱۰			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۳			
بیوی	۱/۴	۳/۱۲	موجودہ ۳/۱۳
ماں	۱/۶	۲/۱۲	موجودہ ۲/۱۳
۲ سگی بہنیں	۲/۳	۸/۱۲	موجودہ ۸/۱۳
کل حصے ۱۳			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۵			
شوہر	۱/۴	۳/۱۲	۳/۱۵
۲ بیٹیاں	۲/۳	۸/۱۲	۸/۱۵
ماں	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
باپ	۱/۶	۲/۱۲	۲/۱۵
کل حصے ۱۵			

اصل مسئلہ ۱۲ - عول ۱۷		
بیوی	۱/۴	۳
دادی	۱/۶	۲
۲ باپ شریک بہنیں	۲/۳	۸
۲ ماں شریک بہن بھائی	۱/۳	۴
کل حصے ۱۷		

اصل مسئلہ ۲۴ - عول ۲۷			
بیوی	۱/۸	۳/۲۴	۳/۲۷
ماں	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
باپ	۱/۶	۴/۲۴	۴/۲۷
۲ بیٹیاں	۲/۳	۱۶/۲۴	۱۶/۲۷
کل حصے ۲۷			

باب ۹

ردّ (دوبارہ دینا)

DOCTRINE OF RETURN

معنیٰ و مفہوم

جب ترکہ کے مستحقین صرف ذوی الفروض ہوں، ان کے ساتھ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں بعض اوقات ذوی الفروض کو ان کے مقررہ حصے دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ حصے بچ جاتے ہیں جنہیں دوبارہ ذوی الفروض میں (سوائے شوہر یا بیوی کے) ان کے مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کرنا ہوتا ہے، اصطلاح میں اسے ردّ کہتے ہیں۔

یہ عول کی ضد ہے۔ اس لیے کہ عول میں مستحقین کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد بڑھانا پڑتا ہے جس سے ہر حصہ فی نفسہ کم ہو جاتا ہے (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا)۔ جبکہ یہاں مستحقین کے کم ہونے کی وجہ سے حصوں کی تعداد کم کرنی پڑتی ہے، ان کے مطابق اصل مسئلے کا عدد کم کرنا پڑتا ہے جس سے ہر حصے کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔

یہ ردّ چونکہ ذوی الفروض نسبیہ پر ہوتا ہے اس لیے انہیں مَن یُردّ علیہ (جس کو بچا ہوا ترکہ دیا جاتا ہے) کہتے ہیں۔ ذوی الفروض سببیہ (میاں بیوی) پر چونکہ رد نہیں ہوتا اس لیے انہیں مَن لا یُردّ علیہ (جس کو بچے ہوئے ترکہ میں سے حصہ نہیں دیا جاتا) کہتے ہیں۔

ردّ کی صورتیں

ردّ کے مسائل میں وُرثا چار صورتوں میں سامنے آئیں گے:

- مسئلے میں صرف ذوی الفروض نسبیہ ہوں، اور وہ ایک ہی صنف کے ہوں۔